لہ دعوۃ الحق

قرآن وسنّت کی تعلیمات کا علمبردار

ماہنامہ الحق اکوڑہ خٹک

اس شمارے میں

★

مدیر ــــــــــ مولانا سمیع الحق

جلد نمبر ۳   شمارہ نمبر ۳   رمضان المبارک ۱۳۸۷ھ   دسمبر ۱۹۶۷ء

زر سالانہ چھ روپے   فی پرچہ ۵۰ پیسے   غیر ممالک سالانہ ایک پونڈ

مشرقی پاکستان بذریعہ ہوائی ڈاک آٹھ روپے سالانہ

سمیع الحق استاد دار العلوم حقانیہ طابع و ناشر نے منظور عام پریس پشاور سے چھپوا کر دفتر الحق دار العلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک سے شائع کیا

نقشِ آغاز

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ہمارے صدر محترم محمد ایوب خان نے غیر ملکی دورے سے واپسی پر ایک سپاسنامہ کے جواب میں مسلم لیگی کارکنوں پر زور دیا کہ وہ خود کو اسلامی معاشرے کے قیام کی جد وجہد کیلئے وقف کر دیں، انہوں نے کہا کہ اسلامی معاشرے میں، ذاتی شہرت اور مفاد کے بہت کم مواقع ہوتے ہیں۔ اسلام نے اجتماعی حقوق پر پوری توجہ دی ہے اور ذاتی حقوق کو ملت کے حقوق کا تابع بنا دیا ہے ———

اگر ہمارے صدر محترم اس ملک، اور معاشرہ کے اسلامی خطوط پر تشکیل و تعمیر کے خواہشمند ہیں تو اس سے بڑھ کر خوشی اور سعادت کی بات کیا ہو گی۔؟ لیکن کسی معاشرہ کی تشکیل میں خواہش اور قول سے زیادہ حصہ "عمل" کا ہوتا ہے۔ انسان کا عمل و کردار اور شخصی زندگی اس کے جذبات اور حقیقی خیالات کی آئینہ دار ہوتی ہے۔ اگر ہمارا قول ہمارے عمل سے ہم آہنگ ہے تو وہ لوگوں کی زندگی پر اثر انداز ہو گا اور اگر عمل باتوں سے جوڑ نہ کھائے، اور ہمارے طرزِ عمل کا ہمارے خیالات اور مقاصد سے تضاد ہو تو یہ ایک ایسی خواہش کا اظہار ہو گا جس کی تردید خود ہمارے عمل سے ہوتی ہے۔ اس صورت میں ہم اوروں کو اسے اپنانے کی تلقین یا اسکی امید ہرگز نہیں رکھ سکتے، اس وقت جبکہ ہمارے معزز صدر نے اپنے بیان میں "اسلامی معاشرہ" کی وضاحت اور تشریح نہیں کی تو ان کے عمل اور مصروفیتوں کو "اسلامی معاشرے" کا معیار اور تفسیر سمجھا جائے گا کہ اس صورت میں بہترین تفسیر ان کا عمل ہی ہو سکتا ہے ——— لیکن اگر اسلامی معاشرہ کے قیام کی تلقین کے دوسرے تیسرے ہی روز قوم اپنے قائد اور رہنما کو اس حال میں دیکھے کہ وہ دیگر زعماء کے جلو میں جشنِ خیبر کے اسٹیڈیم میں ڈیڑھ ڈیڑھ گھنٹہ تک پی آئی اے کے "شاندار" ثقافتی شو سے محظوظ ہو رہے ہوں، ملک کے ممتاز فنکاروں اور رقاصاؤں کا ناچ دیکھ رہے ہوں۔ پھر اس "عمل" کی تشہیر ریڈیو اور اخبارات سے کی جائے، ناچ گانوں کی ان محافل کے نمایاں فوٹو اخبارات میں شائع ہونے لگیں، اہلِ طاؤس و رباب پر داد و دہش کا یہ عالم ہو کہ ایک ہی غزل گانے پر ملکی یا غیر ملکی مغنیات کو نمایاں کارکردگی کے تمغے دئیے جانے لگیں ——— رعیت، اسمبلیوں میں شراب جیسی ام الخبائث چیز کی ساخت گنا ترقیات پر مشتمل اس قسم کی رپورٹیں پڑھنے لگے کہ "حکومت نے صوبہ کے ان علاقوں میں جہاں شراب پر پابندی ہے، سات ہزار پانچ سو اکیاون پرمٹ ہولڈروں کو تین لاکھ چار ہزار سات سو پندرہ یونٹ شراب کی منظوری دی تھی مگر لوگوں نے حکومت کی اس "فیاضی" سے بھرپور فائدہ اٹھا کر

اس سے سات گنا زائد شراب انڈھاتی چہرہ حسب محکمۂ ایکسائز اور ٹیکسیشن کے فراہم کردہ ان محتاط اعداد کے بعد اسمبلی میں یہ بھی سنتی ہے کہ ایک اسلامی حکومت نے اس سال صرف لاہور کیلئے ۲۹۵۴ اور حیدرآباد کے لیے ۲۰۷ افراد کو شراب کے پرمٹ جاری کئے۔ تو لازماً یہی سمجھا جائے گا کہ "اسلامی معاشرہ" کی عملی تعبیر و تفسیر یہی ہے۔ اگر ایسا نہیں تو پھر اسلامی معاشرہ کی حقیقی تصویر ذہنوں سے اوجھل رہ جائے گی اور اسکی مبہم تلقین کا کوئی فائدہ نہ رہے گا۔ دراصل ایک معاشرہ کی تشکیل میں حکمرانوں کا مقام ریڑھ کی ہڈی جیسا ہوتا ہے۔ اور ان کے اعمال و افعال ہی پوری قوم کے لیئے آیڈیل اور معیار بنتے ہیں۔ حکمران اپنی قوم کا اسوہ اور نمونہ ہوتا ہے۔ اس لحاظ سے کسی قوم کی قیادت اور امامت ایک عظیم منصب اور بہت بڑی عزت ہے۔ مگر اس سے بڑھ کر یہ خود ایک امانت اور اسکی طرف سے عائد شدہ نازک ترین ذمہ داری بھی ہے۔ خدائے علیم و بصیر کی نگاہ احتساب ہر لحظہ اس منصب پر لگی رہتی ہے اور اسکی بارگاہ میں سب سے بڑھ کر جوابدہ بھی اُسے ہی بننا پڑتا ہے۔ حضرت فضیل بن عیاض نے ایک بار ہارون الرشید سے مصافحہ کرتے ہوئے ان کے ہاتھ کو تھام کر ارشاد فرمایا تھا "یہ ہاتھ کتنے نرم و نازک ہیں اگر دوزخ کی آگ سے بچ جائیں تو خوب رہے"۔ کہنے والے فضیلؒ تھے اور سننے والے ہارون، وہ فضیلؒ کے اس ارشاد سے کانپ اٹھے، خدائے ذوالجلال کی عظمت و سطوت کے تصور سے تھرا گئے ان کی آنکھوں سے جھڑی لگ گئی اور بجائے ڈانٹ ڈپٹ کے کچھ اور نصیحت فرمانے کی خواہش ظاہر کی۔ گو اب نہ تو فضیل ہیں نہ ہارون لیکن اگر آج بھی کہنے والے فضیل بن عیاض اور سننے والے ہارون رشید کا طرز عمل اختیار کرلیں تو ساری مشکلیں حل ہو سکتی ہیں۔ اور فضیل کی یہ سوز سے میں کہا جاسکتا ہے۔ کہ " اُسے

صدر محترم یہ مقام و منصب بہت شان بان والا ہے اگر خدا کی ناراضگی کا ذریعہ نہ بنے تو خوب رہے "۔

بقول صدر والا تبار "اسلام نے اجتماعی حقوق پر پوری توجہ دی ہے" تو ان حقوق ہی کا تقاضا ہے کہ اہل حق کلمۂ حق کہنے سے نہ جھجکیں اور ملک کی سب سے بڑی ذمہ دار شخصیت جذبۂ حق کوشی میں نصیحت کا تلخ سے تلخ کلمہ سننے کیلئے نہ صرف مستعد بلکہ بے تاب ہو۔ صدر محترم نے "اسلامی معاشرہ" کا نام لیکر اپنے آپ کو سخت ترین آزمائش میں ڈالدیا ہے، یہ آزمائش دودھاری تلوار ہے۔ ایک طرف رعایا کی نظریں اُن پر لگی ہیں کہ وہ "اسلامی معاشرہ" کی کونسی تصویر ان کے سامنے رکھتے ہیں، جسے قوم بھی اپنائے اور دوسری طرف خدائے ذوالجلال ان کا محاسبہ کر رہا ہے کہ وہ اپنی نصیحت اور خواہش کو اپنے عمل سے شرمندۂ تعبیر بناتے ہیں یا پھر ارشاد باری كَبُرَ مَقْتًا عِنْدَ اللّٰهِ اَنْ تَقُوْلُوْا مَا لَا تَفْعَلُوْنَ کا مصداق بنتے ہیں۔ ہماری دلی خواہش ہے کہ وہ اس آزمائش میں پورے اتریں اور مذکورہ وعید کا مستحق

نہیں اس امتحان میں کامیابی اکیلی ان کی نہیں بلکہ ہم سب کی، پوری قوم اور ملک کی سرخروئی اور کامیابی ہوگی ۔۔۔۔ کاش! دردِ دل سے نکلے ہوئے یہ چند کلمات صدر محترم تک پہنچ سکیں اور خدا کی عظمتوں کا شعور، احتساب اور مکافات کا تصوّر اور منصب کی نزاکت کا خیال ان کی ذمہ داریوں کا احساس اجاگر کرنے کا ذریعہ بن جائے۔

یہ سطور ختم کرتے ہوئے فضیلؒ اور ہارون کی وہ مجلس ایک بار پھر میری نگاہوں کے سامنے پھر گئی ہے جبکہ ہارون رشید ذمہ داریوں کے احساس سے دبے جارہے تھے کہ اُن کے وزیر برمکی نے حضرت فضیل کو جھڑک کر کہا۔ "آپ نے تلخ موضوع پر گفتگو چھیڑ کر خلیفہ کو تو مار ہی ڈالا ہے۔" فضیل نے فرمایا۔ "نہیں بلکہ تم جیسے خوشامدی اور چاپلوس مشیروں نے خلیفہ کی ہلاکت کا سامان فراہم کیا ہے۔" خوشامدی اور چاپلوس مشیروں سے میرا ذہن یکایک اپنے زمانہ کے نام نہاد "محققین" اور "مشیروں" کی طرف منتقل ہوا اور مجھے خطرہ لاحق ہوا کہ ہمارے صدر محترم کہیں ان لوگوں کے پیش کئے ہوئے "اسلامی معاشرہ" کی اُس مسخ شدہ تصویر کو حقیقی تصویر نہ سمجھ بیٹھیں جس میں نہ تو شراب حرام ہے، نہ سود اور جوا اور نہ رقص وسرود۔ اگر خدانخواستہ ایسا ہوا تو فضیلؒ کے جوابی ارشاد کی روشنی میں یہ ان لوگوں کی طرف سے نہ صرف صدر محترم بلکہ پوری قوم کی ہلاکت کا سامان ہوگا۔ خدا ہمیں اس روزِ بد سے محفوظ رکھے۔

★★★

خواجہ شہاب الدین صاحب نے منکرین حدیث کی بزم طلوعِ اسلام لاہور کی ایک کنونشن میں دیگر خیالات کے ضمن میں مشہور منکرِ حدیث غلام احمد پرویز کی قرآنی خدمات پر انہیں خراجِ تحسین پیش کر کے مسلمانوں کو حیرت میں ڈالدیا ہے۔ غلام احمد پرویز کی قرآنی تحریفات، دجل وتلبیس سے بھرپور لٹریچر اور حضور خاتم النبیینؐ کی تشریعی حیثیت کو چیلنج کرنا اگر خواجہ صاحب کی نگاہ میں قرآنی خدمت ہے تو ع۔ بریں عقل و دانش بباید گریست۔ اگر خواجہ صاحب کو خود پرویز کے ملحدانہ لٹریچر کے مطالعہ کا موقع نہیں ملا تو کم ازکم اس بارہ میں انہیں ملک کے مختلف مکاتبِ فکر کے ایک ہزار جید علماء ومشائخ کے متفقہ فتویٰ پر اعتماد کرنا چاہئے تھا، جس میں اجماع اور اتفاق سے پرویز صاحب کو کافر اور مرتد قرار دیا گیا ہے۔ اس طرح خواجہ صاحب نے بالواسطہ دین وشریعت کے حامل تمام علماء کی تغلیط وتضحیک کرکے اپنی آخری عمر میں عمر بھر کی اپنی نیکنامی کو دھبہ کا لگا دیا ہے۔ جو ان کی سادہ لوحی یا ضرورت سے زیادہ رواداری کا ثبوت ہے۔ اس سے زیادہ افسوس ریڈیو پاکستان لاہور پر ہے جس نے اپنی صوتی تصویر میں پرویز کے بارہ میں خواجہ صاحب کی تحسین وتکریم کی اشاعت کی اور ملک کی اکثریت کے احساسات

کو مجروح کیا ــــــــ ۔۔

★ ★ ★

وفاق المدارس العربیہ دینی مدارس کی ایک تنظیم ہے۔ دو ڈھائی سو مدارس عربیہ اس سے وابستہ ہیں اس تنظیم کی نگرانی میں دورۂ حدیث شریف کے سالانہ امتحانات بیک وقت ہوا کرتے ہیں۔ اس وقت حدیث کی مشہور کتاب مسلم شریف کا پرچہ سوالات ہمارے سامنے ہے، جس میں طلباء سے دیگر فقہی و علمی سوالات کے علاوہ عصر حاضر کے آمدہ مسائل، تحدید نسل، عزل، عائلی قوانین کے ضمن میں طلاق ثلثہ کا مسئلہ، ان معاشرتی قوانین کی شرعی حیثیت، احیاء ارض موات کے ضمن میں پنجاب اور سندھ کے انگریزی دور کے مربّوں اور جاگیروں کی شرعی پوزیشن اور حدیث نہی عن کراء الارض کے ضمن میں اشتراکیت کا تعاقب وغیرہ امور پر روشنی ڈالنے کیلئے کہا گیا ہے ان مسائل میں عربی طلباء کی استعداد کا حال تو نتائج آنے پر معلوم ہو گا، مگر اس قسم کے سوالات سے طلبہ اور اساتذۂ مدارس عربیہ کو جدید مسائل اور عصر حاضر کی ضرورتوں پر تنبیہہ ہو جانی چاہیئے۔ بلاشبہ آپ قراءت خلف الامام، آمین بالجہر، امتناع نظیر اور امکان کذب جیسے مسائل پر بھی بحث وتمحیص کرتے رہیں۔ البتہ دورِ جدید کی ضرورتوں کا تقاضا ہے کہ کتاب وسنت پڑھاتے وقت جدید نوازل وحوادث پر غور وتحقیق اور طلباء کو اس سے متعارف کرانے کا خاص خیال رکھا جائے۔ اسلام دین ابدی ہے اور ان تمام مسائل کا صحیح حل علماء ہی پیش کر سکتے ہیں۔ اور انہیں عصر حاضر کے چیلنج کا جواب دینا ہے ـــــ

★ ★ ★

پاکستان میں مجلس تحفظ ختم نبوت کی دینی اور تبلیغی سرگرمیوں سے اکثر حضرات واقف ہوں گے مجلس نے بیرونی ممالک میں بھی ختم نبوت کی اشاعت اور مرزائیوں کے تعاقب کا کام شروع کر دیا ہے۔ مجلس کے ایک اعلامیہ کے مطابق مشہور مناظر اور مبلغ مولانا لال حسین صاحب اختر نے ان دنوں انگلینڈ میں صداقت اسلام اور تردید مرزائیت کے بارہ میں تقاریر، اہم شہروں میں تحفظ ختم نبوت کی تنظیم اور رکن سازی کا کام شروع کر دیا ہے اور حوصلہ افزا نتائج ظاہر ہو رہے ہیں، اس کام کی بہت پہلے سے ضرورت تھی۔ ہمیں مجلس کے اس اقدام سے بڑی خوشی ہے۔ اس وقت ختم نبوت کی اشاعت اور دفاع کے لئے ملک و بیرون ملک میں وسیع پیمانے پر کام کی شدید ضرورت ہے۔ واللہ یقول الحق وھو یھدی السبیل۔

سمیع الحق

۲۹ر شعبان ۱۳۸۷ھ

دارالافتاء دارالعلوم دیوبند

معتبر اور مستند مسائل

رمضان المبارک کی فضیلت اور اس کے احکام

رمضان شریف اسلام میں ایک نہایت ہی مقدس اور برگزیدہ مہینہ ہے۔ اسکی سب سے بڑی اور بنیادی عبادت روزہ ہے جو نفس کو مانجھنے اور صاف کرنے میں خاص اثر رکھتا ہے، اس مبارک مہینہ میں نفل کا ثواب فرض کے برابر اور فرض کا ثواب ستر گنا ہو جاتا ہے۔

رمضان شریف میں خاص مشغلہ تلاوت قرآن حکیم اور اپنے اوقات کو یادِ خداوندی سے معمور رکھنا ہے، روزے میں جھوٹ، غیبت، چغل خوری وغیرہ معاصی روزہ کو کالعدم اور روزہ دار کو قریب بہلاک کر دیتے ہیں، جس سے بچنا بہت ضروری ہے۔

روزے میں نیت کی ضرورت

روزے میں نیت شرط ہے۔ نیت کے معنی دل کے ارادہ کے ہیں اگر روزے کا ارادہ نہیں کیا اور تمام دن کچھ کھایا پیا نہیں تو روزہ ادا نہیں ہوگا۔ رمضان کے روزے کی نیت نصف دن سے پہلے تک کر سکتا ہے۔ بشرطیکہ صبح صادق ہونے کے بعد کچھ کھایا پیا نہ ہو، اور کوئی کام جو روزے کا مفسد ہو نہ کیا ہو، اس کے بعد اگر نیت کرے گا تو معتبر نہ ہوگی۔ زبان سے نیت کرنا فرض نہیں لیکن بہتر اور مستحب یہ ہے کہ سحر کا کھانا کھا کر اس طرح نیت کر لیا کرے۔ بِصَوْمِ غَدٍ نَوَیْتُ مِنْ شَهْرِ رَمَضَانَ ۔ اگر افطار کے وقت ہی اگلے روزے کی نیت کرلے تب بھی جائز ہے۔ بعض لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ نیت کے بعد کھانا پینا جائز نہیں۔ یہ خیال بالکل غلط ہے۔ بلکہ صبح صادق ہونے سے پہلے کھانا پینا وغیرہ بلاشبہ درست ہے، نیت کی ہو یا نہ کی ہو۔

روزہ نہیں ٹوٹتا

بھول کر کھانے پینے سے روزہ نہیں ٹوٹتا۔ بلا اختیار حلق میں گرد و غبار یا مکھی یا مچھر چلے جانے سے روزہ نہیں ٹوٹتا۔ ۔۔۔۔۔ [illegible] پسینہ اور نمیا کو

کوٹنے سے جو آٹا یا تنباکو وغیرہ اڑکر حلق میں جاتا ہے اس سے روزہ نہیں ٹوٹتا۔ کان میں پانی چلا جائے یا خود بخود قے آئے یا خواب میں غسل کی حاجت ہو جائے یا قے اگر خود بخود لوٹ جائے، ان سب باتوں سے روزہ نہیں ٹوٹتا اور کچھ خلل نہیں آتا۔ آنکھ میں دوا ڈالنے سے روزہ نہیں ٹوٹتا، خوشبو سونگھنے سے کچھ خلل نہیں آتا۔ بلغم یا تھوک نگلنے سے روزہ نہیں ٹوٹتا۔ اگر قصداً تھوڑی سی قے کی جائے (یعنی منہ بھر سے کم) تو روزہ نہیں ٹوٹتا۔ اگر تھوڑی سی قے آئے اور قصداً لوٹا کر نگل لی جائے تو اس میں اختلاف ہے۔ اگر روزہ میں کوئی بھول کر کھا پی رہا ہے اور قوی و تندرست ہے تو اس کو یاد دلا دینا ضروری ہے، اگر ضعیف و ناتواں ہے تو نہ یاد دلانا درست ہے۔ اگر خود بخود یا مسواک وغیرہ کرنے سے دانتوں سے خون نکلے لیکن حلق میں نہ جائے تو روزے میں خلل نہیں آتا۔ اگر خواب میں یا صحبت کرنے سے رات کو غسل کی حاجت ہوئی اور صبح صادق ہونے سے پہلے غسل نہ کیا تو روزے میں خلل نہیں آتا، اگر دن کو سوتے ہوئے غسل کی حاجت ہوگئی تو روزے میں ذرا بھی نقصان نہیں آتا۔ انجکشن سے روزہ نہیں ٹوٹتا۔ لیکن دماغ اور معدہ میں اگر براہ راست کوئی دوا وغیرہ پہنچائی جائے تو روزہ ٹوٹ جائے گا۔

قضا واجب ہوگی یا نہیں

کان میں یا ناک میں دوا ڈالنا، قصداً منہ بھر قے کرنا، منہ بھر قے آئے اور اسکو نگل جانا، کلی کرتے ہوئے حلق میں پانی چلا جانا یہ سب چیزیں روزہ کو توڑنے والی ہیں، مگر صرف قضا آئے گی کفارہ واجب نہیں۔ کنکر یا لوہے تانبے وغیرہ کو نگل جانے سے روزہ ٹوٹ جائے گا اور صرف قضا واجب ہوگی۔ دن باقی ہو اور غلطی سے سمجھ کر کہ آفتاب غروب ہوگیا ہے روزہ کھول لیا جائے تو صرف قضا واجب ہوگی کفارہ نہیں۔ جان بوجھ کر بدون بھولنے کے صحبت کرنا، کھانا، پینا روزہ کو توڑتا ہے اور اس سے قضا بھی آتی ہے اور کفارہ بھی۔ کفارہ یہ ہے کہ ایک غلام آزاد کیا جائے، اسکی طاقت نہ ہو تو متواتر ساٹھ روزے رکھنا، اسکی بھی طاقت نہ ہو تو ساٹھ مسکینوں کو دونوں وقت کھانا کھلانا۔

مکروہ ہے

بلا ضرورت کسی شے کو چبانا یا نمک وغیرہ کا ذائقہ چکھ کر تھوک دینا مکروہ ہے۔ قصداً منہ میں تھوک اکٹھا کر کے نگل جانا مکروہ ہے۔ تمام دن ناپاک رہنا سخت گناہ ہے، اس سے روزہ مکروہ ہو جاتا ہے۔ روزہ میں فصد کرانا پچھنے لگوانا مکروہ ہے۔ غیبت، بدگوئی، لڑائی جھگڑا روزہ کو مکروہ کر دیتے ہیں اور ثواب بہت کم رہ جاتا ہے۔

مکروہ نہیں

مسواک کرنا، سر پہ یا مونچھوں پہ تیل لگانا مکروہ نہیں، سرمہ لگانے یا سرمہ لگا کر سو جانے سے روزہ میں خلل نہیں آتا، ناواقف لوگ جو مکروہ سمجھتے ہیں وہ غلطی پر ہیں۔

خوشبو سونگھنا مکروہ نہیں۔ اگر بیوی کو اپنے خاوند، نوکر کو اپنے آقا کے غصہ کا اندیشہ ہو تو کھانے کا نمک چکھ کر تھوک دینا مکروہ نہیں۔ آنکھ میں دوا ڈالنا مکروہ نہیں۔

روزہ نہ رکھنے کی اجازت

اگر مرض کی وجہ سے روزہ رکھنے کی طاقت نہ ہو تو رمضان میں روزہ نہ رکھے تندرستی کے وقت قضا کرے۔ اگر روزہ رکھنے کی وجہ سے مرض کے زیادہ ہو جانے کا خوف ہے تب بھی روزہ چھوڑ دینا جائز ہے، پھر قضا رکھے۔ حاملہ کو اگر بچے یا اپنی جان کو نقصان پہنچنے کا اندیشہ ہو تو روزہ چھوڑ دینا اور پھر قضا کر لینا جائز ہے۔ اپنے یا غیر کے بچے کو دودھ پلاتی ہو اور روزہ رکھنے کی وجہ سے ضرر ہو تو قضا کر لینا جائز ہے۔ ہمارے نواح کے چھتیس کوس یعنی اڑتالیس میل (۷۷ کیلومیٹر) کا سفر ہو یا اس سے زیادہ ہو وہ سفر شرعی کہلاتا ہے۔ یعنی ایسے سفر میں مسافر کو اجازت ہے کہ روزہ نہ رکھے، واپس آنے کے بعد قضا کرے۔ اگر کوئی مسافر دوپہر سے پہلے اپنے وطن پہنچ گیا اور اب تک کھایا پیا نہیں، تو اس پر واجب ہے کہ روزہ پورا کرے، کیونکہ اب سفر کا عذر باقی نہیں رہا۔ اگر کوئی شخص کسی تیز سواری یا ریل میں دو تین گھنٹے میں ۴۸ میل (۷۷ کیلومیٹر) پہنچ جائے گا۔ تو اس کے لئے بھی سفر کی رخصت یعنی نماز کا قصر اور افطار کی اجازت حاصل ہو جائے گی۔ بہت بوڑھا ضعیف جس کو روزہ میں نہایت شدید تکلیف ہوتی ہے۔ روزہ نہ رکھے اور ہر روزے کے بدلے پونے دو سیر (بوزن انگریزی یا ایک کیلو ۶۳۳ گرام گندم ایک مسکین کو دے، لیکن اگر پھر کبھی طاقت آجائیگی تو قضا رکھنی ضروری ہوگی۔ عورت کو اپنے معمولی عذر یعنی حیض کے ایام میں روزہ رکھنا جائز نہیں۔ اسی طرح پیدائش کے بعد جتنے روز نفاس کا خون آوے جب خون بند ہو جاوے، روزہ رکھنا چاہئے، اور رمضان شریف کے بعد ان دنوں کے روزے کی قضا ضروری ہے، جن دنوں میں یہ عذر رہا ہے۔ جن لوگوں کو روزہ چھوڑنے کی اجازت ہے۔ ان کو بلا تکلف سب کے سامنے کھانا، پینا نہیں چاہیئے، بلکہ تعظیم رمضان المبارک لازم ہے۔

روزہ توڑنا اور قضا رکھنا

فرض روزے کو بلا کسی شدید تکلیف اور قوی عذر کے توڑنا جائز نہیں۔ پس اگر ایسا سخت بیمار ہو گیا کہ روزہ نہ توڑے تو جان کا اندیشہ غالب ہے یا بیماری بڑھ جانے کا احتمال قوی ہے یا ایسی شدید پیاس لگی ہے، کہ مر جائے گا تو روزہ توڑ ڈالنا جائز بلکہ واجب ہے۔ اگر کسی عذر سے روزے قضا ہو گئے ہوں، تو جب عذر جاتا رہے جلد ادا کر لینا چاہیئے، کیونکہ زندگی کا بھروسہ نہیں، کیا خبر موت آجائے اور

فرض ذمہ پر رہے ہے، مثلاً بیمار کو مرض سے صحت پانے کے بعد اور مسافر کو سفر سے آنے کے بعد جلد ادا کر لینا چاہیئے۔ قضاء رکھنے میں اختیار ہے کہ متواتر یعنی لگاتار رکھے یا جُدا جُدا متفرق۔ اگر قضاء رکھنے کا وقت پایا، لیکن بغیر ادا کئے مرگیا، تو مناسب ہے کہ وارث ہر روزے کے بدلے پونے دو سیر (ایک کیلو ۶۳۳ گرام) گندم صدقہ کریں۔ اور اگر مال چھوڑ گیا ہے۔ اور روزے کے صدقہ کی وصیت کر گیا ہے تو ادا کرنا لازم اور واجب ہے۔

سحری کھانے کی فضیلت

روزہ کے لئے سحری کھانا مسنون ہے اور باعث ثواب ہے۔ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: "سحر کھایا کرو کہ اس میں بڑی برکت ہوتی ہے۔" یہ ضروری نہیں کہ پیٹ بھر کر کھائے، بلکہ ایک یا دو لقمہ یا چھوارے کا ٹکڑا یا دو چار دانے چبائے گا، تب بھی ثواب پائے گا۔ افضل اور بہتر یہ ہے کہ رات کے آخری حصہ میں صبح صادق ہونے سے ذرا پہلے کھائے اور اگر دیر ہوگئی اور گمان غالب یہ ہے کہ صبح ہوگئی (اور کچھ کھالیا) تو شام تک رُکنا اور پھر قضاء رکھنا لازم ہے۔ اور اگر کسی مرغ یا مؤذن نے صبح صادق سے پہلے اذان دے دی تو سحر کھانے کی ممانعت نہیں جب تک کہ صبح صادق نہ ہوجائے بلاتکلف کھاؤ پیو۔

روزہ افطار کرنا

آفتاب غروب ہوجانے کے بعد افطار میں دیر نہ کرنی چاہئے، البتہ جس روز ابر ہو احتیاط کے لئے دیر کرنا بہتر ہے۔ کھجور یا خرما سے افطار کرنا مسنون اور باعث ثواب ہے۔ اور یہ نہ ہوں تو پانی بہتر ہے۔ آگ کی پکی ہوئی چیز مثلاً روٹی چاول شیرنی وغیرہ سے افطار کرنے سے ہرگز کراہت اور نقصان روزے میں نہیں آتا۔ البتہ بہتر یہ ہے کہ کوئی پھل وغیرہ دوسری چیز ہو، اور خرما و کھجور سب سے افضل ہے۔ اگر کسی دوسرے کی دی ہوئی چیز سے روزہ افطار کروگے تو تمہارا ثواب ہرگز کم نہ ہوگا، اس کو اللہ تعالیٰ اپنے پاس سے ثواب عطا فرمائے گا۔ پھر تم اس کو واپس کرکے کیوں بخیل کہلاتے ہو، البتہ یہ مال حرام یا مشتبہ ہو تو ہرگز قبول نہ کرو، یہ حدیث و فقہ سے ثابت ہے۔ اگر روزہ افطار کرنے اور کھانے پینے کی وجہ سے مغرب کی نماز و جماعت میں غروب کے بعد دس بارہ منٹ کی تاخیر کردی جائے تو کچھ مضائقہ نہیں، اور افطار کرنے سے پہلے یہ دعا پڑھ لینا کافی ہے۔ اَللّٰھُمَّ لَکَ صُمْتُ وَعَلٰی رِزْقِکَ اَفْطَرْتُ۔ اور افطار کرنے کے بعد یہ دعا پڑھے ذَھَبَ الظَّمَاُ وَابْتَلَّتِ الْعُرُوْقُ وَ ثَبَتَ الْاَجْرُ اِنْ شَاءَ اللّٰہُ تَعَالٰی۔

تراویح اور وتر

عشاء کے فرض اور سنت کے بعد بیس رکعت تراویح باجماعت مسنون ہے۔ بعض لوگ جو بارہ یا آٹھ بتلاتے ہیں، درست نہیں۔ اگر حافظ بلا معاوضہ پڑھنے والا مل جائے تو تمام رمضان میں ایک قرآنِ مجید ختم کر دینا چاہیئے۔ اس قدر زیادہ پڑھنا مکروہ ہے جس سے اکثر مقتدیوں کو تکلیف ہو، اور تین دن سے کم میں ختم کرنا اچھا نہیں۔ اگر تراویح میں دو رکعت پر بیٹھنا بھول گیا اور پوری چار پڑھ کر سلام پھیرا تو ان چاروں کو دو کی جگہ شمار کرنا چاہیئے، چار نہ سمجھے جس شخص کی دو چار رکعت تراویح کی رہ گئیں وہ امام کے ہمراہ باجماعت وتر پڑھے اور پھر اپنی باقی تراویح ادا کرے تو درست ہے جس شخص کو عشاء کے فرض باجماعت نہیں ملے وہ وتر کو امام کے ساتھ باجماعت پڑھ سکتا ہے جو حافظ روپے کی طمع میں قرآنِ مجید سناتا ہے اس سے وہ امام بہتر ہے جو اَلَمْ تَرَکَیْفَ سے پڑھاتے۔ اگر اُجرت مقرر کر کے قرآن مجید سنایا جائے تو نہ امام کو ثواب ہوگا نہ مقتدیوں کو، اس قدر جلد پڑھنا کہ حروف کٹ جائیں سخت گناہ ہے۔ نابالغ کو تراویح میں امام بنانا جائز نہیں، حدیث و فقہ سے ایسا ہی ثابت ہے۔

اعتکاف اور شب قدر

اخیر عشرہ میں اعتکاف سنت ہے۔ اگر تمام بستی میں کوئی بھی اعتکاف نہ کرے تو سب کے ذمہ ترک سنت کا وبال رہتا ہے۔ اعتکاف اس کو کہتے ہیں کہ اعتکاف کی نیت کر کے مسجد میں رہنا اور سوائے حاجت ضروری اور غسل و وضو کے باہر آنا۔ خاموش رہنا اعتکاف میں ہرگز ضروری نہیں البتہ نیک کلام کرنا چاہیئے، بدکلامی اور لڑائی جھگڑے سے بچنا چاہیئے۔ اعتکاف اس مسجد میں ہو سکتا ہے۔ جس میں پنجگانہ نماز جماعت سے ہوتی ہو۔ اگر پورے اخیر عشرہ کا اعتکاف کرنا ہو تو بیس تاریخ کو آفتاب غروب ہونے سے پہلے مسجد میں چلا جائے اور جب عید کا چاند نظر آئے تو اعتکاف سے باہر ہو، یہ بھی جائز اور باعثِ ثواب ہے کہ ایک دو روز یا ایک آدھ گھنٹے کے لئے اعتکاف کی نیت سے مسجد میں رہے۔ شب قدر کا رمضان کے اخیر عشرہ میں ۲۱، ۲۳، ۲۵، ۲۷، ۲۹ کو ہونا احادیث میں وارد ہے، لہٰذا ان مخصوص راتوں میں بہت محنت سے عبادت میں مشغول رہنا چاہیئے۔

★

قسط ۳

حضرت علامہ شمس الحق افغانی مدظلہ

کمیونزم سرمایہ داری اور اسلام

اشتراکیت اکتنازیت اسلامی اعتدالیت

اسلام کا معاشی نظام

اعتدالیت اسلام چونکہ دینِ فطرت ہے۔ اس لئے اسلام نے اپنے معاشی نظام میں بھی فطرت انسانیہ کا لحاظ رکھا۔ اور تمام فطری امور کو اپنی حالت پر رہنے دیا۔ البتہ جہاں کہیں ان میں کجی، زیغ اور بے اعتدالی واقع ہوئی تھی۔ اس کا ازالہ کرکے اس کو اعتدال پر لایا گیا۔ اسلام کے معاشی نظریہ کے خلاف اکتنازیت اور اشتراکیت کے معاشی نظریات میں چونکہ بے اعتدالیت اور فطرتِ انسانی کے حدود سے انحراف موجود تھا۔ کیونکہ یہ دونو نظریات جذباتی تھے۔ اور جذباتی نظریات کے لئے فطرت کی حدود شکنی لازمی ہے۔ اس لئے اسلام نے اپنا معاشی نظام ایسا معتدل اور موافق فطرت رکھا۔ کہ اس میں انسان کے تمام طبقات کا معاشی تحفظ اور حقوق کی رعایت بھی موجود رہی۔ اور سرمایہ دارانہ نظام اور اشتراکی نظام کی تمام خامیاں بھی اس میں دور کی گئی ہیں۔ اسلام نے اپنے معاشی نظام میں اُن تمام دروازوں کو بند کیا جن سے عوام کی معاشی حالت متاثر ہوتی تھی۔ اور جن سے سرمایہ دار غریب طبقے کا خون چوستے تھے۔ اور ان تمام امور کی بھی مخالفت کی گئی جن سے انسانی حریت اور شرافت اور خود مختارانہ جوشِ عمل پر بُرا اثر پڑتا تھا۔ مال کے سکون کو اس نے حرکت میں تبدیل کیا اور غرباء میں امراء کے خلاف حسِ عدوانی کو تیز کرنے کی بجائے حسِ ایمانی اور اخلاقی کے ذریعہ دونوں میں محبت کا ربط قائم کرکے نفقرا کے

حقوق کو محفوظ کیا گیا۔ اور بجائے غیر فطری مالی مساوات کے امراء اور غرباء میں اکتساب رزق میں قانونی مساوات کو قائم کیا۔ اور قوانین عدلیہ میں امیر و غریب اور شاہ و گدا کو برابر رکھا۔ اور ایسے امور میں جو انسانی جدوجہد کی پیداوار نہیں۔ اور جن پر انسانی سعی و عمل اور محنت کے ذریعہ سے جائز طریقے سے بالذات یا بالواسطہ کسی انسان کا قبضہ نہ ہوا ہو۔ ان کو سب انسانوں کی مشترک ملکیت قرار دیا۔

یہ وہ دس اصول ہیں جن پر اسلام کے معتدل معاشی نظام کی عمارت قائم ہے۔

امور فطریہ انسانیہ کو اپنی حالت پر قائم رکھنا اور اشتراکی بے اعتدالی کی تردید

کمیونسٹ معاشی نظام میں غیر فطری مصنوعی مالی مساوات ہے۔ اور سرمایہ دارانہ نظام میں غیر فطری تفاوت ہے۔ اسلام نے اعتدال قائم کیا اور دونوں کی تردید کی۔ مصنوعی مساوات کی تردید کی کہ وہ خلاف فطرت ہے جب قدرت نے انسان میں دولت کی تخلیقی قوت میں فرق رکھا ہے۔ اس لئے سب انسانوں کی فکری اور دماغی قابلیت برابر نہیں اور نہ عملی قوت یکساں ہے۔ تو انہی دو قوتوں کے فطری تفاوت کی وجہ سے انسانی طبقات میں مالی تفاوت کا رونما ہونا لازم ہے۔ یہی وجہ ہے کہ فکری اور دماغی قابلیت کے تفاوت کی وجہ سے تمام ملازم طبقوں کی تنخواہ یکساں نہیں۔ اور نہ تمام تاجروں کی آمدنی برابر ہے۔ اور نہ تمام ارباب صنعت و حرفت کی کمائی برابر ہے۔ کیونکہ فکر و عمل کی قوت برابر نہیں۔ اس لئے فطری تفاوت کے ثمرات و نتائج کو اپنی اصلی فطری حالت کے مطابق قائم رکھنا معقول ہے۔ اور اس فطری تفاوت مال کے خلاف جدوجہد درحقیقت فطرت سے کے خلاف جنگ ہے۔ جو کسی طرح معقول قرار نہیں دیا جا سکتا۔ اس لئے اسلام نے اس فطری تفاوت کو برقرار رکھا۔ اور امراء و غرباء کے دونوں طبقوں کا وجود تسلیم کیا۔ اور امراء کے طبقہ پر ایسی پابندی عائد کی کہ غریب طبقے کے حقوق بھی محفوظ رہیں۔ اور امراء اپنے فطری حدود سے تجاوز نہ کرنے پائیں۔ یہ پہلی اعتدالیت ہے۔

سرمایہ دارانہ بے اعتدالی کی تردید اور امراء و غرباء دونوں کے حقوق کی حفاظت

امراء پر اسلام نے حسب ذیل پابندیاں لگائیں تاکہ اعتدال پیدا ہو کر غریب طبقے کے حقوق محفوظ ہو جائیں۔

۱۔ امیر طبقہ حدود فطرت و شریعت سے تجاوز کر کے سود کے ذریعہ مال میں اضافہ نہ کرے بلکہ اس کے برخلاف غریب طبقہ کے قرض حسنہ کے طور پر امداد کرے۔

۲۔ رشوت، ظلم اور دیگر ناجائز ذرائع سے مال نہ کمائے۔

۳۔ سرمایہ دار طبقہ وسائل رزق پر مثلاً تجارت، صنعت، کارخانہ سازی، زمینداری، ٹھیکہ داری اور ملازمت پر صرف دولت کے اثر سے اپنا قبضہ جما کر غیر سرمایہ دار طبقے کو محروم نہ کرے۔ تاکہ ان وسائل سے غیر سرمایہ دار طبقہ بھی مستفید ہو سکے۔ اور فطری تفاوت اپنے حدود میں رہے۔ تاکہ وہ قارونیت کی شکل اختیار نہ کر سکے۔ ورنہ بجائے فطری تفاوت کے قارونی تفاوت رونما ہوگا۔ اور تمام وہ مفاسد اور خرابیاں رونما ہوں گی، جو سرمایہ دارانہ نظام کا خاصۂ لازمہ ہے۔

۴۔ امراء کے اموال میں فقراء طبقے کے جو حقوق ہیں۔ اسلام نے قانون زکوٰۃ و عشر و خراج و دیگر صدقات کے ذریعہ امراء کو فقراء کی حاجت روائی کے لئے جوابدہ قرار دیا۔ تاکہ ہر سال امراء کے مال سے مناسب حصہ فقراء کو منتقل ہو کر فطری تفاوت اپنی حد کے اندر رہ کر بڑھنے نہ پائے۔

اسلام نے اپنے معاشی نظام میں اکتنازی اور اشتراکی معاشی نظاموں کی خامیوں کا ازالہ کیا

اکتنازی اور سرمایہ دارانہ نظام میں سب سے بڑی خرابی سودی کاروبار ہے۔ اسلام نے ہر قسم کے سود کو مفرد ہو یا مرکب، حرام قرار دیا۔ اور صرف اصل قرضے کی وصولی کی اجازت دی۔ ارشاد ہے: وَاِن تُبتُم فَلَکُم رُؤسُ اَموَالِکُم لَا تَظلِمُونَ وَلَا تُظلَمُونَ۔ اگر تم سود سے توبہ کرو گے۔ تو تم کو صرف اصل قرضہ ملے گا نہ تم ظلم کرنے کے مجاز ہو کہ اصل قرضہ سے ایک کوڑی زائد لو اور نہ تم پر ظلم کیا جائے گا۔ کہ اصل قرضہ سے ایک کوڑی کم ملے۔ (قرآن) ——— اسی طرح سورۂ بقرہ پ ۳ میں یاایھا الذین آمنوا اتقوا اللہ وذروا ما بقی من الربوٰا ان کنتم مؤمنین۔ اے ایماندارو اللہ سے ڈرو اور چھوڑ دو جو باقی رہ گیا ہے۔ سود اگر تم کو اللہ کے فرمانے پر یقین ہے ——— اسی طرح احل اللہ البیع وحرم الربوا۔ حلال کیا خدا نے تجارت کو اور حرام کیا سود کو۔

ان تینوں آیات میں اللہ نے سرمایہ داری کی بنیادی نقص کو دور کیا اور سود کی تمام قسموں کو حرام ٹھہرایا۔ خواہ اضعافاً مضاعفہ ہو یا کم، چاہے ایک چونی فی صد ہو۔ البتہ عرب میں ڈبل سود کا بھی رواج تھا، جو سود کی بدترین شکل تھی۔ کہ جب بھی میعاد پر قرضہ ادا نہ ہوتا تھا تو میعاد کے بڑھانے کے ساتھ ساتھ سود کی مقدار بھی بڑھاتے تھے۔ یہاں تک کہ سود کی رقم دگنی سہ گنی ہو جاتی۔ اسکو بھی قرآن نے خصوصی طور پر حرام کیا۔ ولا تاکلوا الربوٰا اضعافاً مضاعفہ میں یہی شکل سود کی مراد ہے۔

الغرض کہ قرآن نے سود کے تمام اقسام کے دروازے بند کر دئے۔ اور سود خوار کو ایسی شدید دھمکی دی گئی۔ کہ قرآن میں کسی اور جرم پر ایسی دھمکی نہیں دی گئی۔ فرمایا: فان لم تفعلوا فاذنوا بحرب من اللہ ورسولہ۔ اگر سود نہیں چھوڑتے تو تیار ہو جاؤ اللہ اور رسول سے جنگ کرنے کے لئے۔

وان تبتم فلکم روٗس اموالکم اگر سود سے توبہ کرو تو صرف قرض لینا ہوگا۔ نہ اس سے زیادہ چاہیے ایک پائی ہو، اس سے بعض مغرب زدہ لوگوں کی تحریف قرآنی کی حقیقت واضح ہوگئی۔ کہ قرآن نے عمومی سود کو بھی حرام کیا۔ اور ایک مخصوص صورت کو بھی جو قبیح تر تھی۔ اس کی حرمت کو بھی خصوصیت کے ساتھ ممنوع قرار دیا۔ ورنہ قرآن کے مضامین میں تعارض لازم آئے گا۔ فلکم روٗس اموالکم والی آیت صرف اصل قرضہ کی وصولی کے ساتھ جواز مخصوص کرتی ہے۔ اسی طرح وذروا مابقی من الربوٰ والی آیت سود کا جو بھی باقیماندہ مطالبہ ہو اسکو حرام قرار دیتی ہے۔ اب اگر حرمت صرف ڈبل سود سے مختص ہو تو ان دونوں آیتوں کے خلاف ہوگا۔ اور اگر سب صورتیں حرام ہوں تو سب آیتوں پر عمل ہوگا۔ اور کوئی آیت متروک العمل نہ رہے گی۔ یہی معنی تقریباً چودہ سو سال سے ماہرین قرآن نے سمجھے۔

قرآن کا تواتر لفظی و معنوی قرآن میں لفظی اور معنوی تواتر دونوں ہیں۔ جسطرح الفاظ قرآن تواتر سے ثابت ہیں۔ اور ان کو زمانے کی تبدیلی کی وجہ سے بدلا نہیں جا سکتا۔ تو قرآن کے واضح مطالب بھی متواتر ہیں۔ کسی زمانے میں بھی ان متواتر معانی اور مطالب میں تبدیلی و تحریف کی گنجائش نہیں۔ خواہ ربٰو یا سود ہو یا صوم و صلوٰۃ یا حج و زکوٰۃ یا دیگر مطالب متواترہ اگر بالفرض مطالب قرآنیہ متواترہ محفوظ نہ رہے۔ اور ہر کس و ناکس جب چاہے اسکو تبدیل کر سکتا ہے۔ تو پھر الفاظ قرآن کی محفوظیت بھی بے فائدہ ہو کر رہ جائے گی۔ کیونکہ حفاظت الفاظ کی غرض حفاظت مطالب و معانی ہیں۔ اگر معانی محفوظ نہیں تو صرف لفظ کی حفاظت سے کوئی مقصد حاصل نہیں ہو سکتا۔

حُرمت متجزی نہیں حرمت اشیاء میں اسلامی ضابطہ یہ ہے کہ اس میں قلیل و کثیر کے لحاظ سے تفاوت نہیں ہوتا۔ کہ کثیر سود حرام ہو۔ اور قلیل جائز ہو۔ چوری کثیر و قلیل دونوں حرام ہیں۔ ڈاکہ کے ذریعہ قلیل و کثیر مال حاصل کرنا دونوں صورتوں میں حرام ہے۔ مُردار کھانا قلیل و کثیر دونوں ناجائز ہے۔ لہٰذا سود میں یہ حد بندی کہ سود مفرد حلال ہو اور سود مرکب حرام ہو عقل و نقل دونوں کے خلاف ہے۔ الغرض جو چیز مدار حکم ہو۔ خواہ وہ کم ہو یا زیادہ، اس سے حکم کی تبدیلی نہیں ہوتی۔ مثلاً چوری حرام ہے۔ اور حرمت کا مدار اس کا چوری ہونا ہے۔ اب چوری تھوڑی ہو یا زیادہ دونوں صورتوں میں حرام ہے۔ اس میں کم و بیش، قلیل و کثیر کا حکم ایک ہی ہوگا۔ کہ سب صورتیں حرام ہوں گی۔ اسی طرح مردار حرام ہے۔ خنزیر کا گوشت، نشہ آور چیز حرام ہے۔ ڈاکہ حرام ہے۔ غصب اور ظلم حرام ہے۔ ان سب میں کم و بیش، قلیل و کثیر کا ایک ہی حکم ہوگا۔ اور سب صورتیں حرام ہیں۔ جسکی وجہ یہ ہے کہ شریعت کسی چیز پر فساد کی وجہ سے حرمت کا حکم لگاتی ہے۔ اور فساد

خواہ قلیل ہو یا کثیر دونوں واجب الاجتناب ہیں۔

دین میں اس قسم کا تجدد، تجدد اصلاح نہیں، تجدد فساد ہے۔ اور تقلید فرنگ کا بہانہ ہے ــــ بقول اقبالؒ ؎

محسوس یہ ہوتا ہے کہ آوازۂ تجدید　　　　مشرق میں ہے تقلید فرنگی کا بہانہ

مسلم اور حربی، عبد اور مولیٰ میں جواز ربوٰ نہیں بلکہ عدم وجود ربوٰ ہے

بعض مغرب زدہ استدلال پیش کرتے ہیں۔ کہ فقہ میں مسلمان اور حربی، مولیٰ اور غلام کے درمیان ربوٰ کی صورت کو جائز قرار دیا گیا ہے۔ یہ غلط ہے۔ ان دونوں صورتوں میں فقہ نے جواز ربوٰ کا فتویٰ نہیں دیا۔ بلکہ ربوٰ کے وجود سے انکار کیا۔ یعنی ان دونوں صورتوں میں ربوٰ شرعی متحقق نہیں۔ نہ یہ کہ ربوٰ شرعی متحقق ہے۔ لیکن جائز ہے۔ اور ان دونوں صورتوں میں آسمان و زمین کا فرق ہے۔ ربوٰ کا شرعی مفہوم یہ ہے کہ بلا عوض مقابل کسی دوسرے شخص کا معصوم مال حاصل کیا جائے۔ عبد اور مولیٰ میں اگر کوئی ایسا تبادلہ ہو جائے۔ کہ مولیٰ نے غلام کے ہاتھ سے دو روپے ایک روپیہ کے عوض میں لئے تو چونکہ عبد اور غلام کے وہ دو روپے درحقیقت خود مولیٰ کے ہیں۔ اس لئے دو مالکوں میں تبادلہ نہیں ہوا۔ بلکہ یہ ایسا ہوا کہ ایک مالک نے کسی شخص یعنی غلام کے پاس ایک روپیہ بطور امانت رکھا۔ اور دو روپے اپنے جو اس کے پاس تھے، وہ واپس لے لئے۔

اسی طرح حربی کا مال مباح ہے، شکار اور صید کی طرح اسکی ملکیت نہیں۔ مالک حقیقی نے اسکی ملکیت کو ختم کیا ہے۔ اب صرف قبضہ ہی فیصلہ کن ہے۔ جب حربی کے مال پر قبضہ کیا گیا تو یہ ایسا ہے، جیسے شکار پر قبضہ کیا جائے۔ یہ بھی دو مالکوں میں تبادلہ نہیں۔ یہی راز ہے۔ کہ فقہا نے ان دونوں صورتوں میں یہ لفظ استعمال نہیں کیا۔ کہ یجوز الربو بین المسلم والحربی وبین العبد ومولاہ بلکہ یوں تعبیر کی، کہ لا ربو بین المسلم والحربی ثم ولا بین العبد ومولاہ۔ یعنی دونوں صورتیں سرے ربوٰ نہیں۔ اور نہ ہی ربوٰ کا شرعی مفہوم ان میں موجود ہے۔

اسلام نے اکتنازیت اور احتکاریت اور وسائل رزق پر ایک طبقہ کا قبضہ ختم کیا۔ اور اشتراکیت کے خلاف شخصی حریت کو برقرار رکھا

وَالَّذِينَ يَكْنِزُونَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ وَلَا يُنْفِقُونَهَا فِي سَبِيلِ اللَّهِ فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ أَلِيمٍ۔ جو مال کا خزانہ جمع کرتے ہیں۔ اور فقراء پر خرچ نہیں کرتے، ان کو دردناک عذاب کی خبر سنا دو۔ (قرآن) الَّذِي جَمَعَ مَالًا وَعَدَّدَهُ يَحْسَبُ أَنَّ مَالَهُ

اخلدہ کلا لینبذن فی الحطمہ۔ جو لوگ مال جمع کرتے ہیں۔ اور گن گن کر اسکو رکھتے ہیں۔ ان کو دوزخ میں ڈالا جائے گا۔ (قرآن) صحیح مسلم میں معمر مرفوع حدیث نقل کرتے ہیں: من احتکر فھو خاطی۔ جو انسانی خوراک کو گرانی کی نیت سے ذخیرہ کرے وہ مجرم ہے۔ قرآن نے یہ ارشاد فرما کر ایک طبقہ کا انسانی ذرائع معاش پر قبضہ کرنے کو رد کیا۔ خلق لکم ما فی الارض جمیعا۔ جعلنا لکم فیھا معایش۔ یعنی زمین کے تمام ذرائع معاش سے استفادہ کرنا تمام انسانوں کا حق ہے۔ ہر انسان اپنی فطری قوت فکر و عمل سے اکتساب رزق حلال اور اضافہ ملکیت شخصی میں بحدود شریعت کے اندر رہ کر آزاد ہے۔ اور مالداری کا فطری تفاوت عین فطرت و حکمت ہے۔ نحن قسمنا بینھم معیشتھم ورفعنا بعضھم فوق بعض درجات لیتخذ بعضھم بعضا سخریا ہم نے فطرۃً اکتساب معیشت کی قوتیں انسانوں میں تقسیم کی ہیں۔ اور ان میں اونچ نیچ رکھا ہے۔ تاکہ ایک دوسرے سے کام لے سکیں۔ بیضاوی لکھتے ہیں۔ کہ ایک دوسرے کو اپنے کاموں کے لئے استعمال کر سکیں۔ اور ان میں الفت اور نظم قائم ہو تاکہ نظام عالم درست رہ سکے۔

حکمت تفاوت مالی | جس حکمت کی طرف قرآن نے اجمالی اشارہ کیا۔ اسکی تفصیل یہ ہے۔ کہ نظم بشری اور جماعت بشریہ کی تالیف ایک اہم نصب العین ہے۔ انسانی فطرت دیگر حیوانات کے برخلاف اجتماعیت کا مقتضی ہے۔ ہر حیوان بجز انسان کے الگ تھلگ رہ سکتا ہے لیکن انسان مدنی الطبع ہونے کی وجہ سے اجتماعیت کے بغیر ایک لمحہ کے لئے بھی انفرادی صورت میں زندگی نہیں گذار سکتا۔

حاجت لباس | انسان کو کپڑے کی ضرورت ہے۔ تاکہ دفع حر و قر یعنی گرمی اور سردی سے بدن کی حفاظت کر سکے۔ کپڑا سوت سے بنتا ہے۔ لہٰذا اسکو ایک مزارع کے تعاون کی ضرورت ہے۔ کہ وہ کپاس کاشت کرے۔ پھر اسکو کپاس میں سے روئی اور بنولے کو ایک دوسرے سے جدا کر دینے کے لئے ایک اور معاون کی ضرورت ہے۔ روئی کو کات کر دھاگہ بنانے کے لئے کاتنے والے کا محتاج ہے۔ دھاگہ حاصل ہونے کے بعد اس کو جولاہے کی ضرورت ہے۔ کہ کپڑا تیار کرے۔ سینے کے لئے اس کو درزی اور رنگانے کے لئے رنگ ساز کی ضرورت ہے۔ اس پوری جماعت کے تعاون کے بعد وہ کپڑے سے استفادہ کر سکتا ہے۔ اسی طرح اگر اونی اور ٹسری کپڑا ہو۔ یا عورتوں کے لئے ریشمی کپڑا تو ان سب میں ایک انسان کو دیگر متعدد انسانوں کی اعانت کی ضرورت ہے۔ کیونکہ ایک انسان خود تنہا یہ سب کام انجام نہیں دے سکتا۔

مسکن کی حاجت | اسی طرح انسان کو مکان کی بھی ضرورت ہے جس میں اینٹ، چونا، پتھر

اور سیمنٹ حاصل کرنے کے لئے اسکو دوسرے انسانوں سے مدد لینی پڑتی ہے۔ لکڑی کے کام کے لئے بڑھئی اور نجار اور لوہے کے کام کے لئے لوہار تعمیر کے لئے معمار اور مزدور کی ضرورت ہے۔ جب کہیں جاکر مکان تیار ہوگا۔ علیٰ ہذا القیاس خوراک کی فراہمی کے لئے غلہ کاشت کرنے والا، پیسنے والا، توا یا تنور بنانے والا، ہنڈیا تیار کرنے والا، گھی اور مصالحہ فراہم کرنے والے کی امداد کی ضرورت ہوتی ہے۔ جگہ صاف کرنے کے لئے بھنگی، حجامت درست کرنے کیلئے حجام، کپڑے دھونے کیلئے دھوبی کی ضرورت ہے۔ جس سے معلوم ہوا کہ انسان کی پوری زندگی کا نقشہ انفرادی نہیں اجتماعی ہے۔ اور انسان کا یہ اجتماعی نظامِ حیات حاجت پر مبنی ہے۔ اسی حاجت کی وجہ سے افراد انسانی میں ربط، جوڑ اور نظم قائم ہے۔ اگر سب انسان مالداری میں برابر ہوں تو ایک انسان دوسرے کس طرح کام لے سکے گا۔ مثلاً اگر مساوی انسانوں میں سے ایک دوسرے سے کہے کہ میری حجامت بناؤ تو وہ کہہ سکتا ہے کہ تم میری حجامت بناؤ میں تم سے کس بات میں کم ہوں۔ یا یہ کہے کہ میرے کپڑے دھو ڈالو۔ تو وہ یہ کہہ سکتا ہے۔ کہ تم میرے کپڑے دھوؤ۔ کیونکہ ہم دونوں برابر ہیں۔ قلی سے کہا جائے کہ یہ صندوق اٹھاؤ تو وہ یہ کہہ سکتا ہے کہ میں کیوں اٹھاؤں۔ مجھے اٹھانے کی حاجت نہیں تم خود اٹھاؤ۔ بہر حال کام لینے کے لئے تفاوت کا وجود ضروری ہے۔ کہ کام لینے والا کام کا محتاج ہو۔ اور کام کرنے والا اجرت اور پیسے کا محتاج ہو۔ لہٰذا عمل اور مال میں تبادلہ ممکن ہو سکے گا۔ اور اگر مال یکساں ہو۔ تو یہ تبادلہ ممکن نہیں۔ ہر انسان کو اپنا کام اور عمل خود کرنا پڑے گا۔ اور انسانوں کی ربطِ باہمی کا خاتمہ ہو جائے گا۔ کیونکہ مدار ربطِ حاجت ہے۔ یہ قدرت کا عجیب انصاف ہے۔ کہ ربط قائم کرنے کے لئے مالی تفاوت کی ضرورت تھی۔ تاکہ بے مال یا کم مال والا، مالدار کے لئے کام اور عمل کر کے مال کما سکے۔ لیکن اگر حاجت صرف عامل کی طرف سے ہوتی تو مالدار فرعون بے سامان بن جاتا۔ لہٰذا قدرت نے دو طرفہ حاجت کا نظام قائم کیا ہے۔ عامل اور مزدور کو اجرت، تنخواہ اور مال کی حاجت ہے تو مال دار کو قدرت نے عمل کا محتاج بنایا۔ تاکہ دو طرفہ حاجت کی وجہ سے ہر ایک دوسرے کا محتاج رہے۔ اور کسی میں شانِ استغناء اور بے نیازی پیدا نہ ہو تاکہ کوئی ایک دوسرے پر زیادتی نہ کر سکے۔

جوشِ عمل کیلئے حریت کی ضرورت | اسلام نے شخصی ملکیت کو برقرار رکھ کر اضافہ ملکیت کی تحریک کی وجہ سے اس نے مالکان کے تعطل کو دور کر کے ان میں جوشِ عمل پیدا کیا۔ اور ان کو حیوانیت سے اٹھا کر مقامِ شرفِ انسانیت پر پہنچایا۔ کہ وہ نظامِ اشتراکی کیطرح حکومت کے لئے مشین بن کر

کام نہ کرے بلکہ ایک مالک با اختیار کیطرح سعی و عمل میں مصروف رہے۔ اشتراکی معاشی نظام میں انسان دیگر انسانوں پر خدائی قائم کرتا ہے۔ اور اس کی تمام قوتوں کو خود مختارانہ نہیں بلکہ اپنے منشاء کے مطابق استعمال کرتا ہے جس سے وہ انسان نہیں رہتا، بلکہ حکومت کی ایک مشین بن جاتا ہے۔ قرآن نے اس حقیقت کو ان الفاظ میں واضح کیا وان لیس للانسان الا ما سعی وان سعیہ سوف یریٰ۔ کہ انسان اپنی کوشش اور جدوجہد سے آزاد استفادہ کرنے کا مالک ہے۔ اور جو کچھ اپنی سعی سے کمائے گا۔ اس کو وہ دیکھ پائے گا۔ وھل تجزون الا ما کنتم تعملون۔ انسان کو اپنے ہی عمل کا بدلہ ملے گا۔ یہ قانون انسان کے دنیوی و اخروی دونوں قسم کے اعمال پر حاوی ہے۔ اشتراکی انسان سے جانور کی طرح کام لیکر گھاس چارہ کھلاتا ہے جو انسان کو حیوان بنانے کے مترادف ہے۔

حرکت دولت | سرمایہ دارانہ نظام کی اس خامی اور کجی کو کہ اس میں دولت ایک خاص طبقہ میں ساکن ہو کر رہ جاتی ہے۔ اور دوسرے لوگوں تک حرکت نہیں کرتی جس سے دوسرے لوگوں میں غربت اور افلاس رونما ہو جاتا ہے۔ اور انسان کے اجتماعی جسم کا ایک بڑا حصہ مفلوج ہو کر رہ جاتا ہے۔ بعینہ اسی طرح کہ اگر ایک شخص کے بدن کا خون چند اعضاء بدن میں یا ایک عضو میں بند ہو کر رہ جائے۔ اور دوسرے اعضا کی طرف گردش نہ کرے۔ تو وہ اعضا یقیناً مفلوج ہو کر رہ جائیں گے۔ ایک شخص کیلئے خون اور جماعت کے لئے دولت یکساں طور پر مواد حیات ہے۔ قرآن نے پہلے اس بنیادی اصول کا اعلان کیا کہ کی لایکون دولۃ بین الاغنیاء منکم کہ تقسیم سب میں اس لئے ضروری ہے کہ مال صرف اغنیاء کے طبقہ میں گردش نہ کرنے پائے یہ تو اس بنیادی اصول کا اعلان تھا۔ لیکن اسلام نے اس پر اکتفا نہیں کیا۔ بلکہ اسلام نے اصلاحِ معاش کے لئے ایسے قوانین نافذ کئے۔ جن سے حرکتِ دولت پر عمل ہو۔

۱۔ **حرکتِ حیات معاون باطنہ وظاہرہ** | اندرون زمین میں جس قدر دولت ہے۔ خواہ سونا چاندی ہو یا لوہا، ان میں فقہ اسلامی کے تحت ۵/۱ یعنی خمس فقراء کو دلوایا تاکہ گردش دولت کی تکمیل ہو (فتح القدیر باب الخمس) یہ تو معدنیات باطنہ کا حال ہے جو محنت و مشقت کے ذریعہ نکالے جاتے ہیں۔ باقی معدنیات ظاہرہ وہ مجموعی حیثیت سے تمام عوام کا حق ہے۔ کسی شخص کے ساتھ یا کسی طبقے کے ساتھ مختص نہیں۔ (مغنی ابن قدامہ ج ۶ صـ ۱۵۷)

۲۔ **قانون عُشر ۱۰/۱** | زمین کی ایسی پیداوار جسکی آبپاشی میں تکلیف نہ ہو۔ اس میں فقراء کے لئے دسواں حصہ ہے۔ ما سقتہ السماء اوکان عثریا ففیہ العشر۔ (صحیحین عن ابن عمرؓ) جو زمین بارش سے

سیراب ہو یا دریا کی نمی سے نشو ونما پائے، اسکی پیداوار میں فقراء کا حق دسواں حصہ ہے۔

۳- **نصف عشر ۱/۲۰** | جو زمین رہٹ، ڈول، ٹیوب ویل سے سیراب ہو اسکی پیداوار میں فقراء کا بیسواں حصہ ہے۔

۴- **ربع العشر ۱/۴۰** | نقد اور اموالِ تجارت اور تمام کاروباری آمدنی میں نصاب اور ایک سال گذرنے کی شرط پر فقراء کے لئے چالیسواں حصہ یعنی ڈھائی فیصد کا حق ثابت ہے تقریباً اسی کے لگ بھگ ان مویشیوں میں بھی فقراء کے لئے زکوٰۃ کا حصہ مقرر ہے جسکی تفصیل فقہ میں ہے۔ مثلاً پانچ اونٹوں میں ایک بکری یا اس کی قیمت، چالیس بکریوں یا دنبوں میں جو چر کر پلتے ہوں۔ ایک بکری یا ایک دنبہ یا اسکی قیمت، گائے، بیل اور بھینس اگر تیس ہوں۔ تو یک سالہ بچہ۔ چالیس ہوں تو دو سالہ بچہ۔

قانونِ استحبابی۔ فقراء نوازی حسنِ اخلاق کے ذریعہ نہ حسنِ عدوانی کے ذریعہ | اگر ایسی حالت پیدا ہو جائے کہ عوام غربت اور افلاس کا شکار ہوں تو امراء کے پاس اپنی ضرورت سے جس قدر مال زائد موجود ہو وہ قانونِ استحبابی کے تحت سب فقراء میں تقسیم ہو۔ وَيَسْئَلُونَكَ مَاذَا يُنفِقُونَ قُلِ الْعَفْوَ۔ آپ سے اے پیغمبر! پوچھتے ہیں۔ فقراء پہ کیا خرچ کریں۔ آپ کہہ دیں کہ تمام وہ مال خرچ کرو جو ضرورت سے زائد ہو۔

ابن حزم ضرورت کے وقت اغنیاء کے اموال کو فقراء پہ برابر تقسیم کرنا لازمی قرار دیتے ہیں اور اس پر اجماع صحابہ نقل کرتے ہیں | ابن حزم المحلی میں لکھتے ہیں۔ کہ علیؓ سے روایت ہے کہ اللہ نے اغنیاء پہ ضروریات فقراء کو فرض قرار دیا ہے۔ اگر فقراء بھوکے اور ننگے ہوں اور اغنیاء کے نہ دینے کی وجہ سے تکلیف میں پڑ جائیں۔ تو اللہ تعالیٰ ان سے حساب لے گا۔ اور سزا دے گا۔ ضرورت کے وقت اغنیاء سے مال لیکر سب پر برابر تقسیم کیا جائے گا۔ ابوعبیدہ بن الجراح اور تین سو صحابہؓ نے توشہ جمع کر کے سب پہ برابر تقسیم کیا۔ جن کو دو توشہ دانوں میں جمع کر کے برابر بقدر قوت سب کو دیتے رہے۔ عربی عبارت یہ ہے۔ عن علی ان اللّٰہ فرض علی الاغنیاء فی اموالھم بقدر ما یکفی الفقراء فان جاعوا او عروا وجھدوا بمنع الاغنیاء فحق علی اللّٰہ ان یحاسبھم یوم القیامۃ ویعذبھم وعند الحاجۃ یقسم المال علی السواء صح عن ابی عبیدۃ بن الجراح وثلاثمائۃ من الصحابۃ ان زادھم نفی فجمعوا ازوادھم فی مزودین وجعل یقوتھم علی السواء فھذا اجماع مقطوع بہ من الصحابۃ۔ (المحلی ج ۶ ص ۱۵۸) ——

پھر اسی طرح ابوسعید کی مرفوع حدیث اور حضرت عمرؓ سے بھی نقل کیا ہے۔ الفاظ یہ ہیں۔ عن ابی سعید مرفوعا من کان معہ فضل ظہر فلیعد بہ من لا ظہر لہ ومن کان معہ فضل زاد فلیعد بہ من لا زاد لہ قال فذکر اصنافاً من المال حتی رئینا انہ لاحق لنا فی الفضل نضول اموال الاغنیاء نقسمہا علی فقراء المہاجرین وھذا فی غایۃ الصحۃ والجلالۃ (محلی ج ۶ ص۱۵۸) ابوعبیدہ بن الجراح کے ہمراہ تین سو صحابہ تھے۔ جن میں اکثر کے پاس توشہ یعنی زاد راہ ختم ہوچکا تھا۔ آپ نے جن کے پاس زاد راہ تھا، اُن سے لیکر سب پر برابر تقسیم کیا۔ اور صحابہ میں سے کسی نے اس کے فعل پر اعتراض نہیں کیا۔ ابوعبیدہ عشرہ مبشرہ میں سے ہے۔ اور لسانِ رسالت سے آپ کو امین امت کا خطاب ملا ہے۔ ابوسعید حضورؐ سے روایت کرتے ہیں۔ کہ آپ نے فرمایا کہ جس کے پاس ضرورت سے زائد سواری ہو وہ اس شخص کو دیدے جس کے پاس سواری نہیں۔ اور جس کے پاس زادِ راہ زائد موجود ہو وہ اسکو دیدے جس کے پاس زادِ راہ نہیں۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ایسی کئی ضرورت کی چیزیں ذکر فرمائیں۔ یہاں تک کہ ہم نے گمان کیا۔ کہ ہمارے پاس ضرورت سے جو چیز زائد موجود ہو اس میں ہمارا کوئی حق نہیں۔ ابن حزم فرماتے ہیں۔ کہ اس پر صحابہ کا اجماع ہے۔ (محلی ج۶ ص۱۵۸) حضرت عمرؓ سے ابن حزم نے نقل کیا ہے کہ آپ نے فرمایا۔ کہ مجھے جن حالات کا بعد میں علم ہوا۔ اگر مجھے اس کا پہلے علم ہوتا۔ تو میں دولتمندوں سے ضرورت سے زائد اموال لیکر فقراء مہاجرین پر تقسیم کرتا۔ اس روایت کی سند نہایت صحیح اور جلیل الشان ہے۔ قل العفو والی آیت اور ان روایات پر نظر ڈال کر کیا اس امر کا یقین حاصل نہیں کیا جاسکتا کہ اسلام کے معاشی نظام میں عوام کی حالت اشتراکی نظام کی نسبت زیادہ بہتر اور زیادہ پُرمحبت وخلوص ہوگی۔ اور وہ تمام نقائص بھی نہ ہوں گے جو اشتراکی نظام میں موجود ہیں۔ مولانا عبیداللہؒ سندھی فرماتے تھے۔ کہ جب میں نے صرف اس ایک آیت یسئلونک ماذا ینفقون قل العفو کا ترجمہ لینن کو سنایا تو جوش میں آکر اس نے کہا۔ کہ اگر ہم پہلے اس سے واقف ہوتے تو ہمیں کمیونزم کی ضرورت نہ ہوتی۔ بہرحال ابن حزم نے جو کچھ لکھا وہ ان کے نزدیک یہ ایک جبری قانون ہے۔ لیکن اگر اس کو باہمی رضامندی اور جذبۂ اخوۃ کے تحت رضاکارانہ طور پر عمل میں لایا جائے۔ تو یہ معاشی خوشحالی کے لئے بہترین ذریعہ ہوسکتا ہے۔

قانونی مساوات اور شاہ وگدا کی برابری

امراء عوام کے حقوق کو اپنے اثر ورسوخ کے ذریعہ غصب کرتے ہیں۔ اور پھر عوام کی حق رسی نہیں ہوتی۔ لہٰذا حکومت کا ہونا نہ ہونا عوام کے لئے برابر ہوجاتا ہے۔ اسلام نے قانونی حقوق میں مساوات قائم کرکے اس خامی کو دور کیا۔ اور شاہ وگدا

کو قانون انصاف کے آگے برابر کر دیا۔ زبانی دعویٰ تو ہر حکومت یہی کرتی ہے۔ لیکن جہاں تک عمل کا تعلق اسلامی تاریخ کے علاوہ کسی دین و آئین میں مساوات قانونی کا عملی رنگ موجود نہیں، خلفاء اور شاہان اسلام کو ایک معمولی غریب کے دعویٰ کی جواب دہی کے لئے عدالت میں حاضر ہونا پڑتا تھا۔ اور عدالت کا فیصلہ سنتے ہی اس پر عمل کرتے تھے۔ اسلامی تاریخ مساوات قانونی کے عملی واقعات سے لبریز ہے۔ ہم اختصاراً ان کو ترک کرتے ہیں۔ لیکن اس کے برخلاف انگلستان کے آئین میں صاف لکھا ہے کہ بادشاہ ہر قانون سے مستثنیٰ ہے۔

اسلامی معاشی نظام میں اشیاء مشترکہ | اسلام کے معاشی نظام میں اشیاء مشترکہ یا بالفاظ دیگر اسلامی اشتراکیت — اسلام دین فطرت ہے۔ لہٰذا اس نے اپنے معاشی نظام میں ایسی اشیاء کو شخصی ملکیت سے مستثنیٰ کر کے مشترک عوامی ملکیت میں شامل کیا۔ جن کا تعلق انسانی جدوجہد اور انسانی سعی و عمل سے نہیں۔ اور جن کی ضرورت سب عوام کو ہے۔ جن کی تفصیل حسب ذیل ہے:

علویات میں سے آفتاب و ماہتاب اور سفلیات میں سے پانی (دریا کا ہو یا سمندر کا۔) آگ، گھاس، نمک، خشکی یا آبی شکار مشترک ہیں۔ (ابن ماجہ، ہدایہ، کتاب الخراج امام ابو یوسف)۔ ان مذکورہ اشیاء کے ساتھ سب عوام کا حق متعلق ہے۔ کوئی کسی کو محروم نہیں کر سکتا۔ اور نہ حکومت عوام پر پابندی لگا سکتی ہے۔ الّا اس صورت میں کہ عوام کو اس میں نقصان ہو۔ دریا میں سے ہر آدمی کو پانی پینے کا حق ہے۔ جانوروں کو پانی پلانے کا بھی حق ہے۔ نالی کھود کر کھیت سیراب کرنے کا بھی حق ہے۔ اس میں کشتی چلا کر پیسے کمانے کا بھی حق ہے۔ اس کے پانی میں مچھلی پکڑنے کا بھی حق ہے۔ خواہ دریا ہو یا سمندر۔ اسی طرح خود رو گھاس میں ہر آدمی کا حق ہے۔ خواہ خود کاٹے یا اگر مالک زمین کو ضرر ہو۔ تو وہ خود کاٹ کر اس کے حوالہ کرے۔ اسی طرح پہاڑوں سے قدرتی نمک حاصل کرنا ہر آدمی کا حق ہے۔ کہ اس سے استفادہ کرے۔ زمینی، سمندری اور دریائی شکار پر بھی کوئی پابندی نہیں۔ تمام عوام اس سے استفادہ کر سکتے ہیں۔ اسی طرح سمندر سے جو جواہرات عنبر وغیرہ نکلتے ہیں۔ وہ سب کا حق ہے۔ وفی الغایۃ شرح ہدایہ فیما فی البحر لا یملک الامام ان یخص واحدا دون واحد۔ بادشاہ کا حق نہیں کہ سمندری اشیاء کو کسی کے لئے مختص کر دے۔

مرافق بلد | جو غیر مملوکہ زمین شہر سے باہر ہو لیکن شہر والوں کو اس کے جنگل میں سے لکڑی جلانے کی ضرورت ہو یا مویشی چرانے کی، ایسی زمین مشترک رہے گی۔ تاکہ شہری ضرورت اس سے پوری ہو سکے۔ وہ موات کے حکم میں نہیں۔ کہ کوئی ایک فرد اس پر قبضہ کرے۔ اور نہ یہ

جائز ہے کہ حکومت وہ کسی کو بطور جاگیر دے۔ وما کان خارج البلد من مرافقها ومحتطباً لاهلها ومرعاًلهم لایکون مواتاً فلا یملك الامام اقطاعها۔ (عنایہ علی الہدایہ ص۳۵ ج۴)

فناء عامہ مشترک ملکیت ہے | آبادی کے قریب کھلی زمین عوام کی ملکیت ہے جس میں وہ مویشی چرائیں گے۔ اور کٹی ہوئی فصل رکھیں گے۔ تو ان منافع عامہ کے تعلق کی وجہ سے وہ زمین موات کے حکم میں نہیں۔ وہ کسی خاص شخص کی ملکیت نہیں بن سکتی۔ وفی الزیلعی علی الهدایہ ص۳۵ ج۴ وفناء العامة ینتفعون به لانهم محتاجون الیه لرعی مواشیهم وحصائدهم فلم یکن انتفاعهم منقطعا منه ظاهرا فلا یکون مواتا

معادن ظاہرہ عوام کی ملکیت ہے | المعادن الظاهرة وهی التی یوصل الیها بغیر مؤنة ینتابها الناس وینتفعون بها کالملح والماء والکبریت والقیر والمومیا والنفت والکحل والیاقوت ومقاطع الطین واشباه ذلك۔ ذلك لا تملك بالاحیا ولا یجوز اقطاعها لاحد من الناس۔ (المغنی لابن القدامہ ص۵۱۹ ج۵) کھلے معدنیات جن تک رسائی میں زیادہ تکلیف نہ ہو اسکو عوام باری باری سے استعمال میں لائیں گے اور اس سے فائدہ اٹھائیں گے۔ جیسے نمک، پانی (جس میں سوئی گیس بھی داخل ہے۔ گوگرد، تارکول، مومیائی، مٹی کا تیل، پٹرول، سرمہ، یاقوت اور خاکی ٹکڑے (جس میں کھاد بھی داخل ہے۔)

خراج اور مالگذاری میں عوام کا حق | الخراج فیئ لجمیع المسلمین ان عتب علی ارض الخراج وانقطع الماء او اصطلم المزرع فلا خراج (کتاب الخراج لابی یوسف) خراج تمام مسلمانوں کا حق ہے۔ اگر زمین پر آفت پڑے یا پانی نہ ہو۔ یا فصل برباد ہو جائے۔ تو خراج وصول نہیں کیا جائے گا۔

اداء کفایت | مزارع مسلم وغیر مسلم کو تخم بیل وغیرہ کی رقم دی جاتی تھی۔ ان یدفع للعاجز کفایته من بیت المال۔ (فتح القدیر ص۱۵۵)

غیر مسلم رعیت بھی اگر محتاج ہو تو وہ بیت المال سے روزینہ کی مستحق ہے | معاہدہ حیرہ کے سلسلہ میں فاروق اعظم کا فرمان ہے۔ کہ جو بوڑھا کام نہ کر سکے یا اسکو کوئی آفت پہنچے یا مالداری کے بعد فقیر ہو جائے کہ اس کے ہم مذہب اس کو خیرات دینے لگیں، تو اس سے جزیہ معاف ہے۔ اور اسکو اور اس کے سارے کنبے کو سرکاری خزانہ سے اخراجات دیئے جائیں گے۔ جب تک اسلامی مملکت میں رہے۔ اگر اسلامی مملکت سے نکل جائے تو پھر اسلامی سلطنت پر اس کا خرچ لازم نہیں۔ (کتاب الخراج امام ابو یوسف ص۸۵)

(باقی آئندہ)

★

ضبط و ترتیب ادارہ الحق
جلسہ دستار بندی سلسلہ ۱
از افادات حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلوی
شیخ الحدیث جامعہ اشرفیہ لاہور

اہل السنّت والجماعت

کتاب و سنّت کی روشنی میں

دار العلوم حقانیہ کے جلسہ دستار بندی میں کی گئی تقریر کی آخری قسط

گذشتہ سے پیوستہ

تو شاہ ولی اللہ نے ولیمکنن لھم دینھم سے استدلال کیا کہ خلافت راشدہ میں جو بھی طے پا گیا وہ دین اور خدا کے نزدیک پسندیدہ ہوگا۔ اس سے انحراف دین سے انحراف ہوگا۔ اور ائمہ فقہاء اور متکلمین نے دلیل یہ بیان کی کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث مشہور ہے، علیکم بسنتی وسنۃ الخلفاء الراشدین المہدیین من بعدی۔ آپ نے خبر دی تھی کہ میرے بعد اختلاف ہوگا۔ تو صحابہؓ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ جب اختلاف پیش آوے تو ہمیں کیا حکم ہے۔؟ تو فرمایا: علیکم بسنتی۔ لازم پکڑنا میری سنّت کو۔ اور وسنۃ الخلفاء الراشدین۔ اور خلفاء راشدین کی سنّت کو لازم پکڑنا۔ دونوں ایک علیکم کے تحت میں آرہا ہے۔ یہ ایسا ہو گیا کہ اطیعوا اللہ والرسول اور آمنوا باللہ ورسولہ۔ جب آمنو کے تحت میں اللہ کا ذکر کیا گیا اور رسول کا تو قاعدہ یہ ہے عربیت کا اور نحو کا، کہ معطوف اور معطوف علیہ دونوں کا حکم ایک ہوتا ہے تو ایمان اللہ پر بھی فرض ہے اور رسول پر بھی فرض ہے۔ اب کوئی شخص یہ نہیں کہہ سکتا کہ رسول تو اللہ کے برگزیدہ بندے ہیں اور مخلوق ہیں اور اللہ تعالیٰ خالق ہے، تو یہ الگ مسئلہ ہے کہ اللہ تعالیٰ خالق ہے۔ اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے برگزیدہ پیغمبر ہیں، مرتبے کا مسئلہ الگ رہا۔ مگر ایمان دونوں پر فرض ہے۔ ایمان کے اندر دونوں شریک ہیں (معطوف معطوف علیہ) تو علیکم بسنتی وسنۃ الخلفاء الراشدین۔ علیکم کے معنی لازم پکڑو اور عمل کرو۔۔۔ تو

سنتی اور سنت خلفاء راشدین دونوں پر عمل کرنا واجب ہوگا۔ علیکم کے تحت میں دونوں داخل ہیں اگرچہ نبی کریم کے مرتبہ اور خلفاء راشدین کے مرتبے میں زمین و آسمان کا فرق ہو لیکن حکم میں ایک ہی ہیں۔ کوئی یہ کہنے لگے کہ میرے لئے خلفاء راشدین کی اتباع ضروری نہیں تو یہ حدیث کے خلاف ہوگا۔ اور قاعدہ یہ ہے عربیت کا کہ جب حکم لگایا جائے کسی مشتق پر تو اوصاف میں علیت کی طرف اشارہ ہوتا ہے۔ تو علیکم بسنتی و سنۃ الخلفاء الراشدین المھدیین من بعدی میں خلفاء کا لفظ ہے، دوسرا لفظ راشدین کا اور مہدیین کا تیسرا اور من بعدی چوتھا لفظ۔ یہ چاروں الفاظ دلیل کے طور پر بیان ہوئے۔ خلفاء کے معنی کہ نبی کے قائمقام ہوں گے تو عقل تقاضا یہ ہے اور دین کا تقاضا کہ جو نبی کا قائمقام ہوگا اس کا حکم واجب الاتباع ہوگا ــــ اور واجب العمل ــــ تو خلفاء کے لفظ میں دلیل ایک بتلا دی گئی اور راشدین دوسرا لفظ ہے راشدین راشد کی جمع ہے، راشد کے معنی جو ٹھیک راستہ پر جا رہا ہو۔ قرآن کے اندر ایک جگہ اجمال ہوتا ہے تو دوسری جگہ تفصیل ہوتی ہے۔ راشدین کے معنی میں دوسری جگہ سے عرض کئے دیتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ دوسری جگہ ارشاد فرماتے ہیں: لو یطیعکم فی کثیر من الامر لعنتم۔ یہ اللہ کے نبیؐ اگر بہت سی باتوں میں تمہاری پیروی کرتے تو تم مشقت میں پڑ جاؤ گے۔

ولٰکن حبّب الیکم الایمان۔ لیکن اللہ نے تمہارے دلوں میں ایمان کو محبوب بنا دیا ہے۔ وزیّنہ فی قلوبکم اور تمہارے دلوں میں ایمان کو خوبصورت بنا دیا ہے۔ وکرّہ الیکم الکفر والفسوق والعصیان۔ اور کفر کی، فسق کی اور معصیت کی کراہت اور نفرت تمہارے دلوں میں ڈال دی۔ یہ پانچ باتیں بیان ہوئیں۔ یا تین سمجھ لو۔

اب آگے فرماتے ہیں: اولٰئک ھم الرّاشدون۔ راشد ایسے لوگ ہوا کرتے ہیں جن میں یہ باتیں پائی جائیں تو خلفاء کو جو راشد کہا گیا تو اس کا مطلب یہ ہوگیا کہ ایمان ان کو محبوب ہے، اور فسق و کفران کے ہاں قابل نفرت ہے۔ ایمان ان کو محبوب ہے اور کفران کو مبغوض ــــ تو جن کو اللہ تعالیٰ نے راشد فرمایا ہے۔ ان کا اتباع بھی عقلاً و شرعاً واجب ہے۔ تو دو صفتیں ہوئیں۔ آگے فرمایا: مہدیین ــــ مہدی اور مہتدی میں فرق ہے۔ مہتدی کہتے ہیں کہ ہدایت یافتہ ہو۔ مہتدی باب افتعال کا اسم فاعل ہے۔ اھتداء کے معنی اپنے قدم اٹھا کر سیدھے راستہ پر چلنا۔ مہتدی وہ ہے جو سیدھے راستہ پر چلے۔ اور مہدی صیغہ اسم مفعول کا ہے۔ اس کے معنی ہے کہ جسکو خدا کی طرف سے ہدایت کی گئی ہو، تو مہتدی کا درجہ کم ہے مہدی سے۔

مہدی کو ہدایت اللہ کی طرف سے القاء کی گئی۔ اسکی ہدایت کسبی نہیں بلکہ وھبی طریقہ سے۔ یہ ایسا ہے جیسے قرآن میں دو لفظ آتے ہیں ایک مخلِصین کا، ایک مخلَصین کا۔ مخلِصین وہ ہیں جو کوشش کرکے اپنے عمل کو اللہ تعالیٰ کے لئے خالص کریں اور خود اپنے ارادہ سے اللہ تعالیٰ کی عبادت کریں۔ اور مخلَص وہ ہے کہ جسکو اللہ نے اپنے ارادہ سے خالص بنا دیا ہے۔ وہ چاہے ارادہ کرے یا نہ کرے۔ اور ازالۃ الخفاء میں ایک جگہ لکھا ہے کہ فاروق اعظم جب تک مسلمان نہیں ہوئے تھے، نبی کریم کے قتل کے ارادہ سے چلے اور اللہ کے نبی کو بذریعہ وحی معلوم ہوا کہ یہ عمر ایمان لانے والے ہیں اور حضورؐ نے فرمایا: اللھم ایّد الاسلام باحد العمرین۔ تو شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ عمر مرید نہیں تھا مراد تھا ــــ عمر ارادہ کرکے نہیں جارہا ہے۔ بلکہ اللہ تعالیٰ کا ارادہ تھا۔ اور فرمایا مخلِص نہیں تھا مخلَص تھا۔ اپنا ارادہٗ اخلاص کرکے نہیں چلا تھا بلکہ اللہ نے اس کو چن لیا تھا ــــ تو فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے متعلق اس قسم کے الفاظ ہیں۔ اور قرآن میں جو انّہ من عبادنا المُخلَصین ہے۔ ابراہیم علیہ السلام ہمارے عباد مخلَصین میں سے ہیں۔ تو اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے جس کو اپنی طرف سے خالص بنایا ہو وہ مخلَص ہے۔ اور جسکو اپنی طرف سے ہدایت کی ہو وہ مہدی ہے ــــ تو خلفاء راشدین مہتدی کے درجہ میں نہیں تھے بلکہ مہدی ہدایت یافتہ تھے۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے۔ تو جو من جانب اللہ مہدی ہوگا تو کیا اس کا اتباع واجب نہیں ہوگا۔

آگے چوتھا لفظ "من بعدی" کا ہے۔ یہ عام ہے۔ بعدیت زمانی کیلئے بھی اور بعدیت رتبی کیلئے بھی۔ کہ جن کا رتبہ میرے بعد ہوگا ــــ ان کا اتباع بھی کروگے ــــ تو اہل سنت والجماعت کیلئے ضروری ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقہ کو بھی ماننے اور خلفاء راشدین کے طریقہ کو بھی

یہ تو میں نے اہل سنت والجماعت کے معنی عرض کردئے۔ ایک مختصر سی بات اور عرض کرتا ہوں یہ جو ہمارے اسلامی اور دینی مدرسوں میں علم پڑھایا جاتا ہے اس کا کچھ مختصر سا حال ذکر کرتا ہوں۔ اس کا حال یوں سمجھئے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات بابرکات جو ہے وہ منبع ہے علم وحکمت کا، آپؐ کی زبان سے علم کا چشمہ جاری ہوا اور صحابہ نے اسکو لے لیا۔ صحابہ کے بعد وہ علم پہنچا تابعین کو ــــ

اس کے بعد دوسری بات خیال میں یہ رکھئے کہ حدیث میں آیا ہے۔ ابوذر غفاریؓ کی روایت میں ہے کہ ابوذر غفاریؓ نے پوچھا کہ یا رسول اللہ کتنے پیغمبر آئے دنیا میں۔ تو آپ نے ارشاد فرمایا

ایک لاکھ چوبیس ہزار۔ تو پوچھا ابوذر غفاریؓ نے یا رسول اللہ ان میں رسول کتنے ہیں۔ تو آپ نے فرمایا کہ تین سو تیرہ۔ ایک حدیث تو یہ یاد رکھئے، پھر آگے بیان کروں گا۔ اور ایک حدیث صحیح بخاری میں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: یدخل الجنۃ من امتی سبعون الفاً بغیر حساب۔ ستر ہزار میری امت کے لوگ بلاحساب وکتاب جنت میں داخل ہوں گے (الی آخر الحدیث) یہ تین حدیثیں سننے کے بعد ایک چوتھی حدیث اور خیال میں رکھئے۔ العلماء ورثۃ الانبیاء کہ علماء جو ہیں انبیاء کے وارث ہیں۔ اور ایک روایت ضعیف ہے بعضوں نے موضوع اور بعضوں نے ضعیف کہا ہے۔ علماء امتی کانبیاء بنی اسرائیل۔ میری امت کے علماء انبیاء بنی اسرائیل کے مشابہ ہیں۔ یہ روایات متفرق طور پر آپ کے سامنے عرض کر دیئے۔

اب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سب سے آخری نبی ہیں اور آپ نے فرمایا کہ اُوتیتُ علمَ الاولین والآخرین۔ اولین و آخرین کو جو علوم عطا کئے گئے تھے ان کا مجموعہ مجھ کو عطا کیا گیا ۔۔۔۔ تو مجھے خیال آیا کہ رسول کریمؐ تو تمام انبیاء کا خلاصہ لب لباب ہیں۔ جو حکمتیں اور علوم کل انبیاء کو عطا کئے گئے وہ آپ تنہا ذات بابرکات میں جمع کر دیئے گئے۔

آپ کے بعد درجہ ہے صحابہ کرام کا تو جنگ بدر میں تین سو تیرہ ہیں صحابہؓ، جتنا رسولوں کا عدد ہے تین سو تیرہ۔ وہی عدد صحابہؓ کا ہو رہا ہے جنگ بدر میں اور تمام صحابہؓ و تابعین کا اتفاق ہے کہ بدریین کا درجہ صحابہؓ میں سب سے بڑھ کر ہے۔ سب سے پہلا غزوہ جنگ بدر کا ہے، اس میں صحابہؓ کی تعداد ۳۱۳ ہے۔ اس کے بعد غزوۂ تبوک میں صحابہؓ کی تعداد ستر ہزار ہے۔ حافظ عراقی نے الفیہ میں لکھا ہے۔ ع۔ وسبعون الفاً بتبوک قد حضر۔ ستر ہزار صحابہؓ کی جماعت غزوۂ تبوک میں تھی اور جب آپ حجۃ الوداع کے لئے تشریف لے گئے ہیں۔ تو محدثین نے یہ لکھا ہوا ہے (حافظ ابن حجر وغیرہ نے) کہ کل صحابہؓ کی تعداد ایک لاکھ چوبیس ہزار تک پہنچی تو میرا گمان یہ گذرا کہ صحابہؓ نمونہ ہیں انبیاءؑ کا اور ایک لاکھ چوبیس ہزار جو انبیاءؑ کا عدد ہے وہ صحابہ کا عدد ہو گیا۔ اور جو ۳۱۳ رسولوں کا عدد تھا۔ وہ بدریین کا عدد ہو گیا اور غزوۂ تبوک میں جو ستر ہزار ہیں یہ وہ لوگ ہیں کہ جن کے متعلق ارشاد فرمایا کہ ستر ہزار جنت میں بغیر حساب وکتاب داخل ہوں گے۔

اب تمام علم جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات میں تھا وہ جذب ہو گیا صحابہ کرام میں آکر کے ۔۔۔۔ اب اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کے نبی اٹھ گئے دنیا سے۔ اس کے بعد صحابہؓ کا گروہ آیا اور تابعین کا گروہ بھی صحابہؓ کے ساتھ ہی ساتھ چلا ۔۔۔۔ سنہ ھ میں امام ابوحنیفہؒ پیدا ہوئے۔ کہ صحابہؓ میں سے پانچ سات

باقی تھے اس وقت روئے زمین پر۔ سات آٹھ صحابہ کا ذکر کتب حدیث میں آتا ہے۔ ابوحنیفہؒ کو ان کی زیارت نصیب ہوئی۔ اور تابعی کے لقب سے مشرف ہوئے۔

۱۵۰ھ جب آیا تو تقریباً صحابہؓ سب اٹھ چکے تھے اور جو اکابر تابعین تھے وہ بھی دنیا سے رخصت ہو چکے تھے۔ اور جو اوساطِ تابعین تھے وہ بھی جا چکے تھے اور جو چھوٹے صغار تابعین تھے وہ باقی تھے۔ اب کیا ہوا؟ اللہ کے نبی کا قرن گذر گیا اور صحابہؓ کا قرن گذر گیا اور تابعین کا قرن بھی گذر گیا جنہوں نے صحابہؓ کی جوتیاں اٹھائی تھیں۔ اب شریعت مکمل ہو گئی۔ کہ نبی کریم کے اقوال افعال بھی ساری امت کو پہنچ گئے۔ اور صحابہؓ کے اور خلفاء راشدین کے طریقے بھی امت کو پہنچ گئے۔ اب علم مکمل ہو چکا ہے۔ ولیکن دیکھو۔ اب شریعت کا علم جو تھا وہ مکمل ہو گیا ——— اب اللہ تعالیٰ کی عنایت اور توجہ ادھر ہوئی کہ یہ علم جو نبی کا ہے وہ جمع ہونا چاہیے ——— تو شریعت کے علم کی طرف اللہ کی عنایت اور توجہ مبذول ہوئی۔

——— تو شریعت دو چیزوں کا نام ہے۔ شریعت کے ایک الفاظ ہیں اور ایک معنی ہیں۔ اب قرآن ہے اس کے ایک الفاظ ہیں اور ایک معنی ہیں۔ حدیث ہیں اس کے ایک الفاظ ہیں اور اور ایک معنی ہیں۔ تو اللہ تعالیٰ نے دو گروہ کھڑے کئے۔ ایک محدثین کا گروہ کھڑا کیا۔ اور ایک فقہاء کا گروہ کھڑا کیا۔ محدثین نے الفاظِ حدیث کی حفاظت کی اور الفاظِ شریعت کو امت تک پہنچایا۔ اور فقہاء نے معانی شریعت کو سمجھایا۔

اللہ تعالیٰ نے ابوحنیفہؒ کے قلب میں القاء کیا کہ تو نبی کی شریعت کے معانی کو سمجھا۔ تو ابوحنیفہؒ کی تیس پینتیس برس کی عمر تھی۔ ابوحنیفہؒ کے حلقۂ درس میں چالیس علماء تھے جن میں اولیاء بھی تھے۔ محدث بھی تھے۔ صوفی بھی تھے فقہاء بھی اور اذکیاء بھی تھے۔ سب کو جمع کر کے اس علم فقہ کو مدون کیا۔ امام طحاوی نے نقل کیا۔ کہ چالیس آدمیوں کی مجلس تھی اس میں امام ابویوسف امام محمد بن حسن امام زفر، امام حسن ابن زیاد بھی شامل تھے۔ امام ابویوسف امام احمد بن حنبلؒ کے استاد ہیں۔ اور امام محمد، یحییٰ ابن معین کے استاد ہیں۔ احمد بن حنبلؒ اور یحییٰ بن معینؒ امام بخاریؒ کے استادوں سے تھے۔ امام محمد جو کتاب لکھتے تھے اسکو یحییٰ ابن معین قلمبند کرتے تھے اور لکھتے تھے۔

امام شافعیؒ امام محمد کے شاگرد ہیں۔ امام ابوحنیفہؒ کے شاگردوں میں رہے امام محمد۔ امام ابوحنیفہؒ کے انتقال کے بعد امام مالک کی خدمت میں پہنچے۔ غرض امام ابوحنیفہؒ نے چالیس علماء کی مجلس میں فقہ کو مدون کیا ——— ابواب فقہیہ کتاب الطہارۃ سے لیکر کے آخر تک اور یہ تو مدون۔

کیا علم فقہ کو بعد میں۔ اور فقہ اکبر اور فقہ اوسط یہ ابوحنیفہ کے رسالے ہیں جنکو املا کرایا ابوحنیفہ نے مدون کرایا۔ جہمیہ معتزلہ اور خارجہ کے رد میں۔ تو علم کلام کو مدون کرنے والے سب سے پہلے ابوحنیفہ ہیں اور علم فقہ کو مدون کرنے والے ابوحنیفہؒ ہیں ـــــ شیخ جلال الدین السیوطی کا ایک رسالہ ہے تبییض الصحیفہ فی مناقب امام ابی حنیفہ اس میں لکھا ہے کہ امام مالکؒ نے مؤطا امام مالک اور سب سے پہلے شریعت کا علم امام ابوحنیفہؒ نے مدون کیا اور امام مالک نے امام ابوحنیفہؒ کی فقہ کو دیکھ کر کے مؤطا لکھا ہے۔ اور اس کے بعد امام شافعیؒ آئے اور امام شافعیؒ نے ابوحنیفہؒ کی فقہ کو اور امام مالک کے مؤطا کو دیکھ کر فقہ کی بنیاد قائم کی۔ تو ابوحنیفہؒ کی فقہ سے استفادہ کرنے والے امام مالک بھی ہیں۔ اور امام شافعیؒ بھی ہیں۔ اور احمد بن حنبل بھی ہیں۔ تو ابوحنیفہؒ نے علم فقہ کو اور علم کلام کو مدون کیا۔

ایک دن بادشاہ وقت نے ارادہ کیا کہ علماء کو قاضی بناؤں تو مسعر بن کدام اور امام ابوحنیفہؒ اور سفیان ثوری اور قاضی شریک، یہ چاروں دوست تھے آپس میں ان کے نام گرفتاری کے وارنٹ جاری ہوگئے، کہ ان کو پکڑ کے لاؤ۔ یہ بھاگے پھرتے تھے۔ تو ایک دن تنہائی میں یہ چاروں دوست جمع ہوئے اور کہا کہ بھائی کیا صورت کریں خلاصی کی۔ تو ابوحنیفہؒ نے کہا کہ میں اپنا تخمینہ بتلائے دیتا ہوں کہ ہوگا کیا تمہارا۔؟ فرمایا کہ میں تو مصیبت میں مبتلا ہوں گا۔ اور کہا کہ یہ مسعر بن کدام چھوٹ کر آجائے گا عہدۂ قضا کی تکلیف سے۔ اور سفیان روپوش ہوجائے گا۔ اور یہ قاضی شریک قاضی بنے گا۔ ابوحنیفہؒ کو بلایا بادشاہ نے کہا کہ آپ عہدۂ قضا کو قبول کریجئے۔ فرمایا کہ میں اہل نہیں ہوں تو بادشاہ نے کہا آپ اس کے اہل ہیں۔ آپ کو قبول کرنا پڑے گا۔ امام ابوحنیفہؒ نے کہا خدا کی قسم میں قبول نہیں کروں گا، بادشاہ کو کہا کہ اگر میں اپنی بات میں سچا ہوں کہ میں اہل نہیں ہوں، تب تو مجھے رہا کر دیجئے اور اگر میں جھوٹا ہوں تو جھوٹا آدمی عہدۂ قضاء کے قابل نہیں، مجھے کیوں قاضی بناتے ہو۔ بالآخر ابوحنیفہ کو جیل خانہ میں ڈال دیا گیا۔ اور سفیان ثوری روپوش ہوگئے۔ مسعر بن کدام کو بلایا گیا یہ بھی بڑے عابد و زاہد تھے اور ابوحنیفہ کے شاگردوں میں سے تھے۔ اور دوستوں میں سے بھی تھے۔ اور بخاری میں ان سے روائتیں ہیں مسعر بن کدام کی۔ تو ان کے تذکرہ میں ہے کہ مسعر بن کدام کو جب بادشاہ نے بلایا تو کہا: السلام علیک یا امیر المومنین۔ انہوں نے کہا وعلیکم السلام۔ اس کے بعد پوچھا: کیف حالک۔ امیر المومنین کا مزاج کیسا ہے۔؟ انہوں نے کہا: بحمد اللہ انا بخیر۔ الحمدللہ میں خیریت سے ہوں۔ پھر پوچھا: کیف حال دوابک وحمیرک۔ آپ کے اصطبل کے

گھوڑوں اور خچروں کا کیسا مزاج ہے ؟ یہ جو سوال کیا بادشاہ کو غصہ آیا ، اس نے کہا ھذا مجنون اخرجوہ ۔ اس دیوانے کو باہر نکال دو ۔ ان کو جب باہر نکال دیا تو کہنے لگے ذلک ماکنا نبغ ۔ میری تمنا یہی تھی کہ مجھے نکال دیا جائے ۔ یہ بھاگ گئے وہاں سے ۔ تو یہ علم ہے علماء اہل سنت والجماعت کا ۔ اولیاء تھے ، اتقیاء تھے ، اور عباد و زہاد تھے ۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے علم کو ہم تک پہنچایا ۔ اب یہ ہمارے مدرسوں میں جو علم پڑھایا جاتا ہے یہ انہی ائمہ مجتہدین کا علم پڑھایا جارہا ہے ۔ بعض لوگ تنقید کرتے ہیں کہ امام ابوحنیفہ کا کہیں نام آیا ہے کسی حدیث میں ، کہ تم ابوحنیفہ کی تقلید کرتے ہو ، تو جواب اس کا یہ ہے کہ امام بخاری کا نام اور امام مسلم کا نام بھی تو کسی حدیث میں نہیں آیا ہے کہ تم بخاری کی کتاب کو اصح الکتب بعد کتاب اللہ مانتے ہو ۔ جواب یہ ہے کہ امت کے صلحاء و علماء نے قبول کیا اس کتاب کو اس لئے ہم نے اس کو اصح الکتب مان لیا ۔ تو امت کی تلقی بالقبول یہ بھی ایک دلیل ہے ۔ تو جیسے علماء و صالحین نے اس کتاب کو قبول کر لیا ایسے ہی ابوحنیفہؒ مالکؒ اور شافعیؒ کو بھی قبول کر لیا ۔ اور ان کی تلقی پہ بھی امت متفق ہو گئی ——— اور جامع ترمذیؒ میں حدیث گذر رہی تھی شاہ صاحب کے درس میں ، آپ نے فرمایا کہ قیامت کے دن تمام انبیاء کی امتوں کی ایک سو بیس صفیں ہوں گی ۔ اور اسی صفیں میری امت کی ہوں گی ۔ اور فرمایا : وَاَنَا اَکْثَرُھُمْ تَابِعًا ۔ سب سے زیادہ اتباع کرنے والے اور پیرو میرے ہوں گے ، یعنی ایک سو بیس میں سے دو تہائی نبی کریم کے پیرو ہوں گے ۔ اور ایک تہائی باقی انبیاء کے پیرو ہوں گے ۔ تو شاہ صاحب فرمانے لگے یہی حال ہے امام ابوحنیفہ کے ساتھ اللہ کا ——— کہ امت محمدیہ میں سے دو تہائی امت محمدیہ ابوحنیفہ کے پیرو ہیں ۔ اور ایک تہائی کے اندر مالک و شافعی و احمد بن حنبل سب شریک ہیں ۔

——— تو بھائی اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے یہ علم ہم تک پہنچایا ہے ۔ اور یہ مدرسے جو ہیں دین کے ان میں ان صحابہ و تابعین کا علم پڑھایا جاتا ہے ۔ اب اس سے آگے ایک نتیجہ یہ نکلتا ہے ۔ کہ تمام ائمہ مجتہدین کا اور محدثین کا اتفاق یہ ہے کہ صحابہؓ کے دائرہ سے باہر جانا جائز نہیں ۔ اگر صحابہؓ میں اتفاق ہو گیا ہے ۔ تو ان کے اتفاق پر عمل کرنا واجب اور ضروری ہو گا ——— یہ صحابہؓ اور تابعین شارح ہیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اور مجددؒ صاحب کا کلام عارفانہ ہے ۔ وہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں فرمایا کنتم خیر امۃ ۔ تو اس امت محمدیہ کو خیر الامم فرمایا تو کہا کہ حضور خیر الانبیاء ہیں ۔ آپ تمام انبیاء کے کمالات کے جامع ہیں اور محمدیہ کمالات امم کی جامع ہے ۔ اور جس نے حضور اکرم پہ ایمان قبول فرمایا اس نے گویا کل پیغمبروں پر ایمان لایا ۔ اب اس کا نتیجہ فرماتے ہیں کہ جس نے حضور اور آپ کی شریعت

کا انکار کیا وہ بدترین کافر ہے، اس نے گویا کل انبیاء کا انکار کیا تو ائمہ اربعہ کے مذاہب پر عمل کرنے کے اندر کل شریعت پر عمل ہے اور کل انبیاء کی اتباع ہے اور کل انبیاء کی انوار و برکات اس میں شامل ہیں۔ تو بھائی اپنے احباب کو نصیحت کرتا ہوں اور وصیت، کہ یہ علم جو اللہ نے تم کو اس مدرسہ کی برکت سے عطا کیا یہ خلاصہ ہے کل انبیاء کے علوم کا اور خلاصہ ہے علم کے شریعت کے

اور جہاں تک ہو سکے صحابہؓ کے دائرہ سے باہر مت جائیے۔ جتنے لوگ فقہ کے منکر ہیں۔ امام بخاری کے تو قائل ہیں۔ میں تمہیں بخاری ہی کی مثال پیش کئے دیتا ہوں۔ امام بخاری کا طریقہ ہے کہ ترجمۃ الباب قائم کریں گے۔ اور اس کے بعد صحابہ اور تابعین کے اقوال نقل کریں گے تاکہ معلوم ہو جائے کہ ان حضرات نے دین کو کس طرح سمجھا ہوا ہے۔ تو بخاری کے تمام تراجم ان صحابہؓ کے اقوال سے بھرے پڑے ہیں۔ تو معلوم ہوا کہ صحابہؓ اور تابعین کے اقوال کے بغیر کوئی دین نہیں سمجھ سکتا اور علماء کا اتفاق ہے کہ چھ کتابیں حدیث کی سب میں سے زیادہ معتبر ہیں اس طریقے سے علمائے امت کا اتفاق ہو گیا۔ کہ قابلِ تقلید چار امام ہیں اور پانچواں امام نہیں ہے۔ علماء نے کتابوں میں لکھا ہے کہ ائمہ اربعہ کے بعد امام ابن جریر طبری نے دعوہ کیا اجتہاد کا۔ مگر لوگوں نے انکی اتباع اور پیروی نہیں کی؛ امام بخاری کے متعلق اختلاف ہے علماء کا کہ یہ مقلد تھے یا مجتہد تھے بعض علماء کہتے ہیں۔ کہ یہ مقلد تھے۔ امام شافعیؒ کے اور بعض کہتے ہیں کہ مجتہد تھے۔ مان لو کہ مجتہد تھے تو سوال یہ ہے کہ مجتہد تو تھے جیسے سفیان ثوری اور عبداللہ ابن مبارک تھے۔ مگر ان سب کا مذہب کتابوں کے اندر نقل نہیں ہوتا اور ائمہ اربعہ کا ہوتا ہے اور نہ کوئی دنیا میں ان کا پیرو موجود ہوا۔ تو معلوم ہوا کہ معانی حدیث کے امام ابوحنیفہ اور مالک سے سمجھتے ہیں اور الفاظ حدیث محدثین سے۔ جامع ترمذی کتاب الجنائز میں ہے: الفقہاء ھم اعرف بمعانی الحدیث۔ (یعنی فقہاء معانی حدیث کو زیادہ سمجھتے ہیں۔)

حضرت شیخ الہندؒ نے ایک لفظ فرمایا بہت عجیب۔ قرآن میں ہے: اطیعوا اللہ واطیعوا الرسول۔ تو فرمایا کہ شریعت دو چیزوں کا نام ہے ایک الفاظ اور ایک معنی کا۔ تو فرمایا مقصود معنی ہے اور الفاظ مقصود کا ذریعہ ہیں اور کہا کہ اطاعت مقصود ہے۔ اور وہ معنی پر عمل کرنے سے ہوتی ہے۔ اور معنی سے سمجھی جاتی ہے ------ جو فقہاء نے سمجھا ہے اس لئے ان کا اتباع کرنا ہوگا۔ اور جو الفاظ روایت کرتا ہے ان کا اتباع نہیں کرنا ہوگا۔ ایک شخص جلالین پڑھاتا ہے عالم ہے باضابطہ۔ اور حافظِ قرآن نہیں اور ایک حافظِ قرآن ہے مگر وہ شرح جامی اور مختصر پڑھا ہوا نہیں۔ ایک شخص قاری ہے سبعہ کا بلکہ عشرہ کا۔ مگر قرآن کی تفسیر سے واقف نہیں تو معانی کو جو زیادہ جانتا ہو۔ تو معنی

کے بارہ میں اس کا قول معتبر ہوگا یا بخاری کا۔؟ تو ابوحنیفہ کا قول معتبر ہوگا اور امام بخاری وغیرہ کا قول ان کے مقابلے میں معتبر نہ ہوگا۔ اور یہ سب حضرات جو ہیں امام بخاری وغیرہ، یہ شاگرد ہیں احمد بن حنبل اور یحییٰ ابن معین کے۔ اور وہ ابوحنیفہ کے شاگردوں کے شاگرد ہیں اور امام شافعیؒ شاگرد ہیں محمد بن الحسن کے۔ اس لئے یہ تو ہمارا علمی احسان ہوا کہ یہ حکومت ہے دنیا کے اندر تو یہ خلفائے راشدین کی بدولت ہے۔ تو اہل سنت والجماعت کو یہ نعمت عطا فرمائی کہ دین بھی دیا اور حکومت بھی، اور بغیر اہل سنت کے حکومت کا نام ونشان نہیں۔ ابوبکر، عمر، عثمان رضی اللہ عنہم کے زمانے میں تمام علاقے فتح ہوئے اور حضرت علی کے زمانہ میں کوئی علاقہ فتح نہیں ہوا۔ ایک دفعہ میں نے وعظ میں کہا کہ یہ شیعہ لوگ حضرت عمر پہ باغ فدک کا اعتراض کرتے ہیں کہ انہوں نے فدک چھین لیا۔ میں نے کہا کہ باغ تو تھا بہت سے بہت دو میل کا ہوگا ہزار دو ہزار درخت ہوں گے قیمت دو لاکھ ہزار لاکھ لگا دوں مگر یہ بتاؤ کہ یہ جو ایران ہے یہ کس کا فتح کیا ہوا ہے۔ عمر ہی کا تو فتح کیا ہوا ہے جسکی روٹیاں کھا رہے ہو۔ اب بھی قیمت ادا ہوتی یا نہیں۔ ہمارے ایک دوست بیان کیا کرتے تھے جو اب انتقال کر گئے کہ میرے ایک بھینس تھی جس کا دودھ میں ایک بڑی بی کو باقاعدہ بھیجا کرتا تھا۔ اس کے پڑوسی نے بیان کیا کہ یہ بڑی بی ہر رات کو اٹھتی ہے تہجد کو اور تمہارے لئے بددعا کرتی ہے ہاتھ پھیلا کر تو اسے یقین نہ آیا کہ میرا قصور کیا ہے کہ میرے لئے یہ بددعا کرتی ہے تو اس نے کہا کہ میرا کوٹھا اور بڑی بی کی چھت ملی ہوئی ہے، رات کو آکر میرے پاس رہو میں تجھے اسکی بددعا بتلا دوں گا۔ وہ رات کو سویا تہجد پڑھ کر بڑی بی نے ہاتھ پھیلا کر بددعا کی، دودھ والے اور اسکی بھینسوں کو۔ اس کو یقین آگیا کہ یہ میرے لئے بددعا کرتی ہے۔ اگلے دن اسکی خدمت میں حاضر ہوئے اور کہا اماں میں نے سنا ہے کہ آپ میرے لئے بددعا کرتی ہیں۔ تو بڑی بی نے بے تکلف کہا ہاں میں تیرے لئے بددعا کرتی ہوں۔ اس نے پوچھا آخر میرا قصور کیا ہے میں تو ہر روز دودھ ہدیۃً بھیجتا ہوں۔ تو کہا تیرا قصور یہی ہے کہ تیرے پاس بھینس ہے۔ اور میرے پاس نہیں۔ تو حضرات شیعہ ابوبکر عمر کو اس لئے کوستے ہیں کہ انہیں کا دودھ پیتے ہیں اور انہیں کو بددعا دیتے ہیں۔ تو علم جو ہے دنیا میں وہ بھی اہل سنت والجماعت کی بنا پر ہے اور حکومت بھی ——— پاکستان میں جو حکومت ہے، ترکستان میں حکومت ہے۔ اور یہ ایران تو بعد میں اس کے اندر کوئی بادشاہ ہوگیا ہے اصل میں یہ حضرت عمر کا فتح کیا ہوا ہے۔ تو اب میں دعا کرتا ہوں کہ حق تعالیٰ اہل سنت والجماعت کے مسلک پر قائم کرا دے۔ وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین۔

علماء حق کا شیوہ

ارشادات خطیب ملت مولانا احتشام الحق صاحب تھانوی مدظلہ

زیر نظر تقریر دارالعلوم کے جلسہ دستار بندی کی تیسری نشست میں ۷، ۸ اکتوبر ۱۹۶۷ء کی درمیانی شب کو حضرت مولانا احتشام الحق تھانوی نے ارشاد فرمائی۔ اور اپنے مخصوص انداز میں موجودہ حالات کے تقاضوں کی روشنی میں علماء حق کے مقام اور ذمہ داریوں پر تنبیہ فرمائی

(ادارہ)

★

خطبہ مسنونہ اور سورۃ اعلیٰ کی تلاوت کے بعد ـــ

جناب صدر ! حضرات علمائے کرام اور معزز حاضرین جلسہ آج پاکستان کی مشہور و معروف دینی درسگاہ دارالعلوم حقانیہ اور اس کے سالانہ جلسہ میں ہم اور آپ سب جمع ہیں اور یہ ہمارا اجتماع بڑا مبارک اجتماع ہے، جس میں مختلف اطراف اور سمتوں سے فارغ التحصیل علماء بھی جمع ہیں۔ اور اپنے اکابر اور بزرگ بھی نظر آتے ہیں۔ پاکستان میں ایسی دینی درسگاہیں دو چار ہی ہیں۔ کہ جن میں اپنے وہ اکابر اور بزرگ نظر آتے ہیں جنہوں نے دارالعلوم دیوبند کے اندر اپنا وقت اور اپنی خدمات دیں آج وہ بڑی کامیابی کے ساتھ ان دینی درسگاہوں کو چلا رہے ہیں۔ اور بالخصوص میں تو جب بھی اس علاقہ میں آتا ہوں تو میرے دل میں پہلے سے یہ خیال ہوتا ہے۔ کہ میں ایسے خطے میں جا رہا ہوں جہاں اپنے اکابر سے تعلق رکھنے والی شخصیتیں اور بزرگ کافی تعداد میں نظر آئیں گے۔ اور ان کی زیارت ہوگی۔ چنانچہ ابھی ابھی ایک کافی عرصہ کے بعد حضرت مولانا عزیر گل صاحب کی زیارت ہوئی جو ابھی یہاں تشریف رکھتے ہیں۔ اور خاکساری اور تواضع کی وجہ سے اصرار کے باوجود کرسی پر تشریف نہیں لائے۔ ان کو دیکھ کر مجھے بڑی خوشی ہوئی اس لئے کہ یہ ان اکابر اور بزرگوں میں سے ہیں، جنہوں نے

حضرت شیخ الہندؒ کے ساتھ رفیق کی حیثیت سے وقت گذارا ہے۔ اور ہر شخص ان کے چہرے کو دیکھ کر سمجھ سکتا ہے۔ کہ کسی اللہ والے کے ساتھ ان کو رفاقت نصیب ہوئی ہے۔

بزرگوں کی صحبت کا اثر حضرت حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکی نے مکے میں حرم کے اندر کسی صاحب کو دیکھا اور بہت دیر تک ان کی طرف دیکھتے رہے۔ یہاں تک کہ جب انہوں نے سلام کیا تو آپ اٹھ کر وہاں تشریف لے گئے۔ اور فرمایا آپ ہندوستان سے آئے ہیں؟ انہوں نے کہا جی ہاں میں ہندوستان سے آیا ہوں۔ حضرت حاجی صاحبؒ نے فرمایا آپ کیا کسی بزرگ کسی اللہ والے سے بیعت ہیں۔ انہوں نے کہا کہ میں کسی بزرگ سے بیعت تو نہیں۔ لیکن کوئی پندرہ سال کا زمانہ گذرا ہے۔ کہ میری فلاں بزرگ سے ملاقات ہوئی تھی۔ حضرت حاجی صاحب نے فرمایا وہ جو پندرہ سال سے قبل صرف ایک مرتبہ ملاقات ہوئی اس کے اثرات اور اس کا نور اب تک آپ کی پیشانی پر چمک رہا ہے ــــ تو جنہوں نے بزرگوں کے ساتھ رفیق کی حیثیت سے وقت گذارا ہے، یقیناً ان کی ہر بات اور ہر ادا سے اور چہرے بشرے میں وہ نور نظر آتا ہے۔ جو اپنے اکابر اور بزرگوں میں تھا ــــ بہر حال مجھے یہاں آنے میں اس بات کی بھی خوشی ہوتی ہے کہ اپنے اکابر سے تعلق رکھنے والے حضرات کی زیارت ہو گی ــ

اس مدرسہ کا سرچشمہ مولانا محمد قاسم اور مولانا گنگوہی ہیں جہاں تک اس مدرسہ کا تعلق ہے جس کے جلسے میں آپ جمع ہیں۔ یہ دراصل تقریباً ڈیڑھ صدی پہلے جن اللہ والے بزرگوں نے دین کی خدمات کا سلسلہ شروع کیا تھا، اسکی یہ ایک کڑی ہے۔ اور یہ درسگاہ بھی اسی سے وابستہ ہے۔ میری مراد ہے حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ جنہوں نے سب سے پہلے ہندوستان میں دینی مدرسوں کی بنیاد رکھی ــــ ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی کے بعد جب مسلمان مایوس ہو گئے کہ اب ہم شاید انگریز کو نہ نکال سکیں گے۔ اور آخری کوشش وہ ہوئی ہے۔ کہ جب حضرت حاجی امداد اللہ صاحبؒ سپہ سالار کی حیثیت سے انگریزوں سے جنگ کرتے ہیں ــ حضرت مولانا گنگوہیؒ اور حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ بھی ساتھ ہیں۔ اور ایک وہ بزرگ بھی ساتھ ہیں جن کا نام آپ نے سنا ہو گا حضرت حافظ ضامن صاحب شہید علیہ الرحمۃ یہ بھی ساتھ تھے۔ اور انگریزوں کا تعاقب کرتے ہوئے کافی دور تک دوسرے قصبے تک پہنچا دیا۔ انگریز وہاں ایک تحصیل کی عمارت میں بند ہو گئے۔ اور انہوں نے غالباً اسکی اطلاع کرائی کہ ان کو اور کوئی کمک پہنچ جائے ــــ حضرت حاجی صاحب نے یہ مشورہ کیا تھا۔ کہ آج اس تحصیل پر حملہ کر کے ان انگریزوں

کو یہاں سے ختم کرنا ہے۔ حضرت حافظ ضامن شہیدؒ فرمانے لگے کہ حضرت انشاء اللہ یہ تحصیل تو صبح تک فتح ہو جائے گی۔ لیکن ہم نہیں رہیں گے۔ سب سے پہلے جو حملہ کیا ہے تو گولی لگی حضرت حافظ صاحب کو، اور وہ وہیں گر گئے اور شہید ہوئے۔ یہی وہ بزرگ ہیں جن کے بارے میں میں نے مولانا تھانویؒ سے سنا ہے۔ کہ کوئی شخص ان کی قبر پہ فاتحہ پڑھنے گیا تو آواز آئی کہ جا کسی مردے کی قبر پہ فاتحہ پڑھ ــــ

دین کی حفاظت کیلئے ہمارے اکابر کے مساعی | حضرت مولانا نانوتویؒ اور ان حضرات نے یہ طے کیا کہ اب اس ملک میں مسلمان غلام کی حیثیت میں زندگی گذاریں گے۔ فاتح قوم کی طرف سے جو جو طریقے اختیار کئے جائیں گے۔ اس میں اندیشہ ہے کہ مسلمان اپنے دین اپنے عقائد اور اپنی روایات کی حفاظت نہیں کر سکیں گے، لہذا یہ طے کیا کہ ایک ایسی درسگاہ بنائی جائے جس میں ایسے افراد پیدا ہوں جو پیٹ سے پتھر باندھیں۔ لیکن یہ کہ مسلمانوں کے عقائد، افکار ان کے مستقبل انکی دین کی حفاظت کریں۔ یہ علماء کی کوششیں اور تقریباً ڈیڑھ صدی کی تاریخ بتلا رہی ہے۔ کہ ان لوگوں نے بڑی بڑی تکلیفیں اور مشقتیں اٹھائیں اور آج تک ہند و پاکستان کے مسلمانوں کی جسطرح انہوں نے دین کی حفاظت کی اس سے اندازہ لگتا ہے کہ سارے ممالک اسلامی میں پھر جائیے آپ کو اتنا دین نہیں ملے گا جتنا ہندو پاکستان کے مسلمانوں میں نظر آرہا ہے۔ یہ انہی علماء کی بدولت ہے جنہوں نے بوریوں اور چٹائیوں پہ بیٹھ کر علم دین کی حفاظت کی ہے۔

ــــ تو میں یہ عرض کر رہا تھا کہ یہ دار العلوم حقانیہ اور حضرت مولانا عبدالحق صاحب براہ راست اسی درسگاہ سے تعلق رکھتے ہیں۔ اور یہ درسگاہ بھی اسی سلسلہ کی ایک کڑی ہے۔ مجھے بڑی خوشی ہے کہ مولانا نے اس علاقہ کے اندر علم دین کی اشاعت میں بہت نمایاں کام انجام دیا ہے۔ اور الحمدللہ اطراف واکناف کے لوگ یہاں علم دین حاصل کرنے کے لئے جمع ہو رہے ہیں۔ اور ایسا محسوس ہوتا ہے جیسے حق تعالیٰ نے حضرت مولانا کے ہاتھوں سے ایک چھوٹا سا دیوبند یا اس کے نمونے پہ ایک ادارہ قائم کیا۔ حق تعالیٰ اور زیادہ ترقی عطا فرمادیں۔ اور اس سے زیادہ خدمت کی توفیق اللہ تعالیٰ عطا فرمادیں۔ جس وقت مجھ سے کہا گیا کہ میں بھی جلسہ میں کچھ عرض کروں تو میں نے یہ بات پیش کی تھی کہ دراصل حضرات علماء کافی تعداد میں تشریف رکھتے ہیں ان کے بیانات ہوں گے۔ اسکی ضرورت نہیں ہے کہ میں کوئی لمبی چوڑی تقریر کروں صرف شامل ہونے کے لئے برکت کے خیال سے جی چاہتا ہے کہ تھوڑی دیر آپ کی خدمت میں کچھ عرض کروں زیادہ وقت نہیں لیتا۔

وقت زیادہ ہو گیا ہے۔ دوسرے میرے بعد بھی حضرات آپ کو خطاب فرماویں گے۔ تیسرے یہ کہ میرے گلے میں تین چار روز سے تکلیف ہے۔ اسی وجہ سے میں آپ کا زیادہ وقت نہیں لے سکوں گا۔ اور میرا یہ خیال تھا کہ میں ایک مختصر سا ارشاد سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کی تلاوت کر کے اس کا ترجمہ کروں گا۔ لیکن ایک صاحب کا پرچہ آیا جسمیں فرمائش تھی کہ قرآن شریف کی کچھ آیتیں تلاوت کر دوں اس لئے میں نے سورۃ اعلیٰ کی تلاوت کی۔

دو باتیں میں اصل میں مختصر طریقے پر صرف دو باتیں کہنا چاہتا ہوں۔ ایک تو ان نوجوان صالح علماء سے تعلق رکھتی ہے جو آپ کے دار العلوم سے فارغ ہو چکے ہیں، اور اب ان پر دین کی بھاری ذمہ داری ڈال دی گئی ہے۔ وہ اپنے اپنے علاقوں میں جا کر دین کی خدمات انجام دیں گے جنمیں سے بہت سوں کی دستار بندی آج بھی غالباً ہو چکی یا کل بھی ہو گی یا اس جلسے کے کسی وقت میں ان کی دستار بندی ہو گی ــــــ

علم اور دستار فضیلت کے تقاضے دستار بندی ایک قسم کا شرف ہے، اعزاز ہے، اور یقیناً اس سے آپ کا دل بڑا خوش ہو گا۔ جس کے سر پر دستار فضیلت بندھتی ہے، اس کے دل سے پوچھئے۔ اور ہونا بھی چاہئے۔ کہ اللہ جب کسی نعمت کی توفیق دے تو قدرتی طور پر اس سے خوشی ہوتی ہے۔ یہ کیا کم انعام ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو علم دین کے حصول اور پھر اسکی تکمیل کی توفیق دی۔ یہ کوئی کم انعام نہیں، بڑی نعمت ہے۔ بہت سے لوگ اس زمانہ میں ایسے بھی ہیں جو آپ کی اس مصروفیت اور تعلیم کو اعتراض کی نگاہ سے دیکھتے ہیں کہ آپ نے اپنا وقت ضائع کر دیا۔ اور مختلف طریقوں سے آپ کو چھیڑتے ہیں ــــــ کسی کالج کے طالب العلم نے کسی عربی مدرسے کے مولانا صاحب سے پوچھا تھا کہ مولانا صاحب ذرا یہ تو بتائیے کہ آسمان پر ستارے کتنے ہیں؟ مولانا صاحب نے کہا بھئی مجھ کو یہ نہیں بتایا گیا ہے۔ کہ آسمان میں ستارے کتنے ہیں۔ میں نے آپ کے سامنے جو بات صحیح صحیح تھی کہدی۔ وہ کہنے لگے صاحب آپ قوم کی رہنمائی کس طرح کریں گے، ابھی تک آپ کو یہ بھی پتہ نہیں کہ آسمان میں ستارے کتنے ہیں۔ اور وہ جتنا الزام دے سکتے تھے دیا۔ لیکن علم دین پڑھنے کے بعد اگر انسان جھوٹ بولنے میں جری نہیں تو کم سے کم ذہین تو ضرور ہو جاتا ہے۔ اس نے فوراً یہ بات کہی کہ مہربانی کر کے ذرا آپ بھی بتلائیے کہ سمندر میں مچھلیاں کتنی ہیں؟ وہ کہنے لگے: مجھ کو تو میرے پروفیسر صاحب نے یہ نہیں بتایا۔ تو انہوں نے فوراً کہا صاحب ابھی تو فرش کا علم پورا نہیں ہوا، تو عرش کی باتیں آپ کہاں سے کرتے ہیں۔ وہ یہ سمجھتے ہیں کہ آپ نے اپنا وقت صحیح مصرف میں نہیں لگایا

لیکن اس کے باوجود آپ کے والدین اور آپ کو اللہ نے یہ توفیق عطا فرمائی کہ آپ نے اپنی زندگیوں کو دین کے لئے وقف کیا، حقیقت میں یہ اللہ کا انعام ہے اور پھر تکمیل کی توفیق عطا فرمائی ——— پھر ایسے اللہ والوں اور بزرگوں کے ہاتھوں سے تو اللہ انکی لاج رکھے گا، اور اس لاج کی وجہ سے، اس دستار فضیلت کی وجہ سے آپکی اور دین کی عزت قائم کرے گا، اس میں خوشی ہوتی ہے۔ اس سے آپ کا دل مسرور ہے، لیکن بہت سی مسرتیں ایسی بھی ہیں، کہ وہ سطحی ہوتی ہیں۔ جب انسان اسکی حقیقت پر غور کرتا ہے تو وہ ایک گہری فکر میں چلا جاتا ہے۔ آپ نے بارہا دیکھا ہوگا، محلوں میں شادی ہوتی ہے، ایک نوجوان کو ہار پہنا کر اچھے کپڑے پہنا کر اور بعض لوگ افتخار کیلئے ایسا بھی کرتے ہیں کہ گھوڑے پر بٹھا کر اسکی برات لے جاتے ہیں۔ اس وقت آپ اس دولہے کے دل کو ٹٹولیں تو وہ اندر سے بڑا خوش ہوتا ہے۔ کہ میں آج نوشہ بنا ہوا ہوں۔ لیکن اس بیچارے نے یہ کبھی غور نہیں کیا، کہ میرے یہ سارے عزیز رشتہ دار اچھے کپڑے پہنا کر یہ کون سا پہاڑ ذمہ داری کا میرے سر پر ڈال رہے ہیں۔ اور اگر اسکو یہ معلوم ہو جائے کہ نکاح کے بعد میرے اوپر کتنا بوجھ اور پہاڑ میرے اوپر ڈال دیا جائے گا۔ تو میرا خیال ہے وہ برات والوں سے چھپ کر گھوڑے سے بھاگ جائے کہ میں نہیں جاتا ———

حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ کو اللہ تعالیٰ نے ظرافت بھی عطا فرمائی تھی اور حکمت بھی۔ حضرت مولانا تھانویؒ فرمایا کرتے تھے کہ یہ دونوں باتیں کم جمع ہوتی ہیں۔ عام طور پر جنکی طبیعت میں حکمت غالب ہو ظرافت نہیں ہوتی اور جن کی طبیعت میں ظرافت غالب ہو حکمت سے زیادہ واسطہ نہیں۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ کے اندر دونوں صفتیں جمع تھیں۔ کسی بدو نے ان سے سوال کیا۔ کہ یا امیر المؤمنین ماذا النکاح۔ نکاح کیا ہے۔؟ حضرت علیؓ نے جواب دیا کہ سرور شہر ایک مہینہ مسرتوں کا ہے، خوشیوں کا مہینہ ہے ——— مطلب یہ ہے کہ اس تقریب کا آغاز فرحتوں سے ہوتا ہے۔ بدو نے سوال کیا یا امیر المؤمنین ثم ماذا۔؟ اس کے بعد کیا۔؟ حضرت علیؓ نے اس کا قافیہ ملاتے ہوئے ظرافت کے ساتھ فرمایا نکاح کی دوسری منزل کا نام ہے۔ لزوم مہر۔ عرب میں طریقہ یہ ہے کہ اب اس کے بعد مطالبہ کیا جاتا ہے کہ لائیے مہر ادا کیجئے۔ نوشہ کو پہلی مرتبہ یہ خیال ہوتا ہے۔ کہ ہم نے تو خوشی خوشی قاضی کی مجلس میں قبول کیا تھا، یہ پتہ تو نہیں تھا کہ جیب سے رقم بھی نکالنی ہوگی۔ اس بدو نے پھر سوال کیا یا امیر المؤمنین ثم ماذا۔ اس کے بعد کوئی منزل آتی ہے۔ حضرت علیؓ نے جواب دیا اور پھر قافیہ برقرار رکھا کہ تیسری منزل کا نام ہے غموم دھر۔ فرمایا اب اس کے بچے

ہو جاتے ہیں، کہیں دوائیں کہیں کپڑے، سارے زمانے کا غم اس پہ آپڑتا ہے۔ فرمایا مسرت سے جس تقریب کی ابتدا ہوئی تھی اسکی تیسری منزل اب آگئی۔ اس بدو نے سوال کیا یا امیرالمؤمنین ثم ماذا؟ تو حضرت علیؓ جھک گئے اس لئے کہ جب انسان بوڑھا ہو جاتا ہے۔ تو اسکی کمر جھک جاتی ہے۔ کسی کتاب میں میں نے واقعہ پڑھا تھا کہ کوئی ستر اسی سال کے بڑھے جن کی کمر جھک گئی تھی، ان سے بچوں نے شرارت سے پوچھا کہ بڑے میاں یہ کمان کتنے کی خریدی ہے؟ تو اس بیچارے نے بڑی سادگی سے کہا کہ جب میری عمر کو پہنچ جاؤ گے تو مفت میں ہی مل جائے گی۔

حضرت علیؓ نے جھک کر فرمایا آخری منزل کا نام ہے کسورظہر کہ کمر ٹوٹ جاتی ہے۔ قاضی کی مجلس میں جاتے وقت آپ نے کیا یہ سوچا تھا کہ ذمہ داریاں پوری کرتے کرتے کمر جھک جائے گی۔ لیکن وہ ایک مرتبہ آپ نے کہہ دیا تھا کہ قبول کیا تو لفظ کتنا مختصر ہے؟ مگر ذمہ داری ساری زندگی کی ہے۔

دہلی میں ایک صاحب کی شادی ہوئی لڑکی ذرا کچھ پڑھی لکھی تھی، اگلے دن لڑکی نے ایک فہرست تیار کر کے شوہر کے پاس بھیج دی۔ کہ اتنے برتن، اتنا فرنیچر، اتنا لباس اور اتنے سامان کی یہ چیزیں آئیں گی۔ شوہر صاحب پریشان ہو گئے۔ اور کہا کہ خدا کی قسم میں نے تو تجھے قبول کیا تھا فہرست نہیں قبول کی تھی اور اگر یقین نہ ہو تو چل میں قاضی سے پوچھواؤں۔ اس نے کہا کہ یہ جو آپ نے لفظ قبول کیا۔ اسکی وجہ سے یہ سب چیزیں آپ کے ذمہ ہو گئیں یہ تو ابھی پہلی قسط ہے۔ ابھی تو کتنی اور فہرستیں آئیں گی تو میں یہ بات عرض کر رہا تھا کہ عنوان کتنا مختصر ہے، ذمہ داریاں بہت ہیں یہ نہ سمجھئے کہ یہ جو لفظ قبول جتنا مختصر ہے اتنی ہی مختصر ذمہ داری بھی ہے۔

حضرت مولانا تھانویؒ کے ہاں ایک صاحب تشریف لائے۔ اور انہوں نے آکر کچھ اپنی پریشانیاں بیان کیں۔ مولانا نے فرمایا کہ بھئی تم چالیس دن تک لیسین پڑھ لیا کرو، گیارہ مرتبہ۔ چالیس دن کے بعد وہ صاحب تشریف لائے۔ اور کہا کہ صاحب چالیس دن ہو گئے۔ آپ کی ہدایت کے مطابق پڑھتا رہا۔ لیکن کوئی حالات میں فرق نہیں آیا۔ حضرت کو فراست سے اندازہ ہوا کہ غالباً اس نے صحیح طریقے پہ نہیں پڑھا، تو دریافت کیا۔ اس نے کہا کہ میں اس طرح پڑھتا تھا لیسین، لیسین، لیسین گیارہ مرتبہ ___ حضرت نے سن کر فرمایا: اللہ کے بندے یہ لفظ لیسین مختصر سا عنوان ہے۔ اس کا مطلب ہے پوری سورۃ کی تلاوت ___ اسی طریقے سے ہم جو اسلام کا کلمہ پڑھ کر کہتے ہیں۔ کہ اے اللہ ہم نے تیری اطاعت اور بندگی کو قبول کیا لفظ کتنا مختصر ہے

لیکن آپ کو معلوم ہے کہ ہم نے یہ کلمہ کہہ کر اپنی پوری زندگی خدا کی مرضیات کے مطابق ڈھالنے کا عہد کر لیا ہے۔

یہ علماء جنکی دستاربندی ہوئی ہے۔ ان کے اوپر کس قسم کی ذمہ داریاں ڈالی گئیں، حدیث میں آتا ہے: العلماء اُمناءُ الدین مالم یخالطوا الامراء فاذا خالطوا الامراء فہم لصوص الدین فاحذروہم۔ (اوکما قال)۔ اس سے یہ معلوم ہو جائیگا کہ علماء پر کیا ذمہ داریاں عائد ہوتی ہیں۔

دوسری بات یہ کہ عام مسلمانوں کو علماء کے ساتھ قدردانی اور تکریم کس قسم کا برتاؤ چاہیئے۔ یہ بھی ہماری ذمہ داری ہے کہ ہمارا تعلق خلق خدا سے کس نوعیت کا ہو۔ اس لئے کہ بعض اوقات ہماری درشتی اور خشونت کی وجہ سے بہت سے لوگ آپ سے فیض نہیں حاصل کر سکتے۔ کسی نے صحیح کہا ہے کہ ؎

کوئی کارواں سے چھوٹا کوئی بدگماں حرم سے
کہ امیر کارواں میں نہیں خوئے دلنوازی

کچھ ذمہ داریاں ہماری بھی ہیں، لیکن کچھ عام مسلمانوں کی بھی ہیں۔ کہ ان کو قوم کے رہنماؤں اور علماء کے ساتھ کس قسم کا برتاؤ چاہیئے ــــ لیکن پہلے آپ کو یہ بتاؤں علماء کسے کہتے ہیں۔ یہ چیز کوئی پڑھانے کی نہیں ــــ عالم کی جمع علماء ہے۔ علم والوں کو عالم کہتے ہیں۔

فتنۂ الفاظ کا زمانہ | یہ زمانہ فتنۂ الفاظ کا زمانہ ہے جو لفظوں کے اصلی معنے تھے انکی بجائے یار لوگوں نے اپنی طرف سے معنی ڈال دیئے۔ مثال کے طور پر مساوات، جیسے کہ ابھی حضرت مولانا شمس الحق صاحب افغانی فرما رہے تھے۔ مساوات، معنی اس کے برابری کے ہیں۔ لیکن آج اگر کسی سے پوچھیئے کہ صاحب آپکی نظروں میں مساوات کا کیا معنی ہے تو کہیں گے کہ ایک عورت کو بالکل اسی قسم کے کام کرنے کی اجازت دی جائے جو کام مرد انجام دیتے ہیں۔ اگر آپ ملازمتیں کرتے ہیں مگر عورتوں کو آپ ملازمت کی اجازت نہیں دیتے، اگر آپ فوج کی خدمات انجام دیتے ہیں مگر فوج کے اندر عورت کو ملازمت کی آپ نے اجازت نہ دی تو یہ روشن خیال کہیں گے کہ آپ نے مساوات کا خون کر دیا۔ اس لئے میں نے عرض کیا مساوات کا معنی اسلام میں کیا ہے۔؟ مساوات کا معنی ہے حقوق میں برابری، عمل میں برابری۔

مرد اور عورت کے حقوق میں مساوات | حقوق تین قسم کے ہیں۔ جان کا، مال کا، عزت کا۔ کیا شریعت اسلامیہ نے یا مسلمانوں نے کبھی عورت اور مرد کی جان میں فرق کیا۔؟ عورت کی جان اتنی ہی قیمتی ہے، اسلام کے اندر۔ جتنی کہ مرد کی ہے۔ کوئی فرق نہیں۔ اور مال

عورت کی ملکیت اور مرد کی الگ ہے۔ شادی ہو جانے کی وجہ سے بھی اسکی ملکیت ختم نہیں ہوتی۔ عزت اور آبرو میں میرا یہ خیال ہے کہ شاید عورت کو حق زیادہ ملا ہوا ہے شریعت کے اندر اس لئے کہ اسکی عزت جو ہے وہ نگینے کی چمک دمک اور آب وتاب کی طرح ہے۔ اس میں اگر فرق آجائے تو اس کا بہت نقصان ہوتا ہے۔ تو آپ مجھے بتائیے کہ ان تینوں میں جب شریعت نے برابری رکھی تو اس کا نام ہے مساوات۔ لیکن یہ آپ کو کس نے بتا دیا کہ ذمہ داری اور عمل کے اندر برابری کا درجہ دیں۔ اور اگر اسی کا نام مساوات ہے تو کل کوئی خاتون کہے گی۔ کہ تین ماہ میں بچہ حمل میں اٹھائے پھری اب تین ماہ تمہیں اٹھانا ہو گا۔ مرد کہیں گے کہ تین ماہ ہم نے نماز پڑھائی اب عورتوں کو اتنا عرصہ نماز پڑھانی چاہیئے۔

اس سے یہ بات معلوم ہوئی کہ درحقیقت خدمات میں اور عمل کے اندر کبھی مساوات نہیں ہوتی تقسیم کار ہؤا کرتی ہے۔ حقوق ہوتے ہیں ایسے طریقے سے عدالت اور انصاف کا لفظ ہے۔ آج دنیا سے پوچھئے کہ تمہاری نظر میں عدل وانصاف کے کیا معنی ہیں وہ آپ کو کچھ اور بتائے گی۔ لیکن شریعتِ اسلامیہ سے پوچھئے وہ صحیح معنی آپ کو بتائے گی کہ اس کا مطلب کیا ہے۔ آپ کی نظر میں عدل اور انصاف کے معنی یہ ہیں کہ جیسا قانون موجود ہے۔ اس قانون کے مطابق فیصلہ کرنے کا نام انصاف ہے۔ اور بعض اوقات وہ بھی نہیں۔ ایک تنقید نگار جج بھتے کیانی صاحب میں نے اخبار میں پڑھا تھا کہ کسی شخص نے ان سے کہا انکی عدالت میں کہ صاحب میں تو یہاں انصاف کی امید لیکر آیا تھا کہ یہ عدالت ہے۔ لیکن میرے ساتھ تو ظلم ہو رہا ہے۔ اس نے کہا آپ غلط سمجھے یہ کچہری ہے۔ یعنی انصاف کی توقع تو عدالت سے کرنی چاہیئے، کچہری سے نہیں۔ انصاف ہو یا ظلم ہو کچھ ہو۔ یہاں تو کاغذات جو موجود ہیں فیصلہ ان کے مطابق ہی ہو گا۔ لیکن شریعت کہتی ہے۔ کہ یہ انصاف اس لئے نہیں کہ اگر وہ قانون ظالمانہ ہے۔ تو اس کے مطابق فیصلہ کیسے ہو سکتا ہے۔؟ وہ فیصلہ بھی ظالمانہ ہو گا۔ ـــــ لہٰذا عدل کے لئے پہلی شرط یہ ہے کہ جس قانون کے مطابق فیصلہ دیا جا رہا ہے وہ منصفانہ ہو اور قانون منصفانہ نہیں ہو سکتا۔ جبتک کہ وہ قانون، اللہ کے حکم کے مطابق نہ ہو۔ اگر خدا کے حکم اور قانون کے مطابق فیصلہ ہوتا ہے۔ تو وہ انصاف ہے، لیکن دنیا نے ظالمانہ قانون کے مطابق فیصلہ کا نام بھی انصاف رکھ دیا۔ میں نے کہا یہ فتنۂ الفاظ کا زمانہ ہے۔

علم اور فن میں فرق اسی طریقے سے علم کسے کہتے ہیں۔؟ اس زمانہ میں لوگوں نے جس کا نام علم رکھا ہے ـــــ فن اور چیز ہے، علم اور چیز ہے۔ اگر دستکاری سکھانے کیلئے ڈاکٹری یا انجینرنگ

پڑھانے کیلئے اگر کوئی درسگاہ قائم ہوتی ہے تو ہم دیکھتے ہیں کہ آیتیں وہی پڑھی جاتی ہیں جن میں اللہ نے علم کی ترغیب دی ہے۔ اور کہا جاتا ہے کہ یہ ہماری مادرِ علمی ہے۔ یہ ہماری علمی درسگاہ ہے۔ حالانکہ معاف کیجئے اگر آپ انجینئر یا مستری بن گئے تو آپ نے فن سیکھا ہے علم نہیں سیکھا۔ آپ ہوائی جہاز ٹیلی فون یا اور قسم کی مشینیں بنانے لگے تو یہ فن ہے اسکو علم نہیں کہہ سکتے۔ اگر کوئی شخص اعلیٰ درجہ کا فرنیچر بناتا ہے تو آپ سمجھئے کہ وہ دراصل اعلیٰ درجہ کا مستری اور دستکار ہے۔ لیکن اسکو علم نہیں کہا جاتا، فن کہا جائے گا۔ اور علم اسے کہتے ہیں کہ جسکی معلومات اور ہدایات کے ذریعہ آپ کا دل اور توجہ خدا کی طرف مبذول ہو جو خدا کی معرفت تک آپ کو لے جائے۔ اسکو کہتے ہیں علم۔

اور یہ بھی یاد رکھئے کہ علم معیارِ فضیلت ہے، فن معیارِ فضیلت نہیں۔ اگر آج امام فخر الدین رازی ہوتے تو کیا کوئی ہوائی جہاز اڑانے والا پائلٹ ان سے یہ کہہ سکتا کہ آپ کو تو صرف تفسیر کبیر لکھنا آتی ہے۔ تو یہ کہا جائیگا کہ ہوائی جہاز اڑانا معیارِ فضیلت نہیں علم معیارِ فضیلت ہے۔ امام فخر الدین رازی کے پاس علم ہے، تمہارے پاس فن ہے۔ فرمایا ؎

علم چہ بود آنکہ رہ بنماید ت — زنگ گمراہی زدل بزداید ت

جو چیز خدا کی طرف آپ کو متوجہ کرے اسکو کہتے ہیں علم۔ آپ کو خوش ہونا چاہیئے کہ اللہ نے آپ کو فن نہیں علم دیا ہے۔ فن سے چیزیں بنتی ہیں اور علم سے انسان بنتے ہیں۔ دنیا کے بڑے بڑے فلسفی دنیا کی چیزیں بنانے کے طریقے آپ کو بتاتے ہیں۔ انبیاء کرامؑ ولی اللہ عارف بنانے قطب اور غوث بنانے، بڑے بڑے بزرگ بنانے کیلئے آپ کو طریقے بتا رہے ہیں۔ اس لئے میں نے عرض کیا کہ آپ کو خوش ہونا چاہیئے کہ اللہ نے آپ کو علم عطا فرمایا۔ دوسرے لفظوں میں یہ سمجھئے کھانے پینے کا دھندا کھانے کمانے کے بتانے والی چیزیں فن کہلاتی ہیں۔ اور آخرت سنوارنے والی چیزیں علم کہلاتی ہیں۔ ہماری باتیں روشن خیالوں کی نظروں میں "ملاؤں" کی باتیں ہیں۔ لیکن اگر وہ بات کسی جج نے کہی ہو تو آپ کو ماننی چاہیئے۔ اکبر الہ آبادی جو جج بھی ہیں اور انہیں کے زمانے میں ہندوستان کی مختلف درسگاہیں قائم ہوئیں جن میں سے دیوبند کی درسگاہ بھی ہے، مسلم یونیورسٹی علی گڑھ بھی ہے، ندوہ بھی ہے۔ اور اکبر الہ آبادی کی تشخیص جو ہوتی ہے وہ بہت صحیح ہوتی ہے۔ آئیے ان کی زبان سے سنیئے کہ انہوں نے درسگاہوں کو کیا کیا خطابات عطا فرمائے ؎

ہے دل روشن مثال دیوبند اور ندوہ ہے زبان ہوشمند

اور علی گڑھ کی بھی تم تشبیہ لو ایک معزز پیٹ بس اسکو کہو

(باقی آئندہ)

حضرت مولانا امین الحق صاحب مدظلہ خطیب شیخوپورہ

نبوت کی حقیقت اور اسکی عظمت

قسط ۴

حافظ ابن قیمؒ نے لکھا ہے۔ اہل علم کا طریقہ یہ ہے کہ علماء کے اقوال کو احتیاط کے ساتھ لیتے ہیں۔ اور ان کو سوچتے ہیں اس کے بعد کتاب وسنت اور خلفائے راشدینؓ کے اقوال سے مقابلہ کرتے ہیں۔ اگر علماء کے اقوال ان کے موافق ثابت ہوتے ہیں تو لیتے ہیں اور ان کے موافق فیصلہ کرتے ہیں۔ اور فتویٰ دیتے ہیں اور جب کتاب وسنت اور خلفائے راشدینؓ کے اقوال کے مخالف علماء کے اقوال ثابت ہوتے ہیں۔ تو ان کو رد کرتے ہیں۔ اور ان پر التفات نہیں کرتے (اعلام الموقعین ص ۳۲۰ ج ۲)

حافظ ابن قیمؒ فرماتے ہیں۔ جمہور علماء کہتے ہیں کہ اہل مدینہ کے عمل میں اور دوسرے شہروں کے باشندوں کے عمل میں کچھ فرق نہیں ہے۔ اہل حجاز اہل عراق اہل شام اہل مدینہ اس اعتبار سے سب برابر ہیں کسی کو دوسرے پر ترجیح نہیں ہے۔ جس کا عمل سنت پر ہو رہا ہے۔ جس کے عمل کی سنت تائید کرتی ہے تو ان کا عمل اتباع کے قابل ہے اور جب اہل علم میں اختلاف ہوتا ہے تو ان میں سے بعض کا عمل دوسرے بعضوں پر دلیل اور حجت نہیں ہے۔ حجت تو اتباع سنت ہے۔ اگر بعض مسلمان سنت کے خلاف عمل کرتے ہیں۔ تو ان کا عمل چھوڑا جائیگا اور سنت قائم رکھی جائے گی۔ بات یہ ہے کہ عمل کے جانچنے کیلئے سنت معیار ہے۔ مگر عمل سنت کے پرکھنے کا معیار نہیں ہے۔ (اعلام الموقعین ص ۴۳۳ ج ۲)

غرض یہ ہے کہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی سنت تشریح ہے اور معصوم ہے واجب الاطاعت ہے۔ اور علماء کے اقوال صحیح بھی ہو سکتے ہیں اور غلط بھی ہو سکتے ہیں۔ علماء کے اقوال دلیل اور حجت نہیں ہیں۔ تنازع اور اختلاف میں علماء کے اقوال قابل استدلال اور دلائل نہیں ہیں۔ بلکہ علماء کے

اقوال نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی سنت سے جانچے اور پرکھے جائیں گے اگر سنت کے مطابق ہیں تو قبول کئے جائیں گے اور اگر سنت کے مخالف ہیں تو رد کئے جائیں گے۔ اور سلف سے لیکر خلف تک اہل علم کا یہ اجماعی مسلک ہے۔ مگر ادارہ تحقیقات اسلامی کے رئیس اور آپ کے رفقائے کار کو جب اپنے مزعومات کیلئے ثبوت کی ضرورت پڑتی ہے تو کبھی ابن شبرمہ اور ابوبکر اصم کا حوالہ دیتے ہیں کہ صغر سنی میں یہ حضرات نکاح کرنے کو منع کرتے ہیں۔ اور کبھی امام اوزاعیؒ امام مالکؒ امام ابو یوسفؒ کا حوالہ دیتے ہیں کہ ان حضرات نے رواج عام کو سنت کہا ہے اور مسلمانوں کے سیاسی اور عسکری راہنماؤں کو از خود سنت کے قائم کرنے کا حق دیا ہے۔ اگرچہ ان حضرات ائمہ کا دامن علم دیانت ایسے اتہامات سے پاک ہے۔ مگر بفرض محال انہوں نے ایسا کہا بھی ہوتا تو ان کے ایسے اقوال کتاب و سنت کے مخالف ہونے کی وجہ سے قابل قبول نہیں تھے۔ بلکہ مسترد کرنے کے لائق ہیں۔ مگر سنت کے خلاف ان صاحبوں کے تمام پروپیگنڈا کا سرمایہ اس طرح کا بے بنیاد اور ناقابل اعتماد ہوتا ہے۔ کہ شاید یہ صاحبان بھی اس حقیقت کو جانتے ہوں گے مگر یہودی عیسائی درسگاہوں میں بنے ہوئے ذہن کا برا ہو جس نے مسلمان کو سنن کی تبدیلی اور دین اسلام میں تحریفی اقدامات کرنے پر تیار کیا ہے۔

سنت اور تشریع میں تبدیلی نہیں کی جاسکتی

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کے امر میں قرآن شریف نے کسی قوم اور وقت کو مخصوص نہیں کیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت تمام بنی آدم کے لئے ہے۔ اور تمام ازمنہ کیلئے ہے۔ اس لئے قیامت تک بنی آدم کو قرآن شریف نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت پر مامور فرمایا ہے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا: "میں ان کا بھی رسول ہوں جو اب زندہ ہیں اور ان کا بھی جو میرے بعد ہوں گے۔" اس لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت اور تشریع کی جگہ کسی دوسرے کی سنت اور تشریع کو نہیں دی جاسکتی۔ دین کی تشریع خواہ کتاب میں ہو یا سنت میں اللہ کی وحی سے ہوتی ہے جس کو نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام بھی از خود تبدیل نہیں کر سکتے۔ جب تک اللہ کی وحی اسکو تبدیل نہ کرے۔ قرآن شریف میں ارشاد ہے: "آپ فرما دیجئے میرا کام نہیں کہ اسکو بدل ڈالوں اپنی طرف سے، میں تابعداری کرتا ہوں اسی کی جو حکم آئے میری طرف۔" ــــ اگر یہ تجویز جائز ہو سکتی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت اور تشریع کو بدل دیا جائے۔

اور نئی سنت اور جدید تشریع ضرورت کے مناسب حالات کے مطابق کی جائے تو پھر یہ تسلیم ہو جانا چاہیئے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد نئی نبوت وہی جا سکتی ہے۔ اور نیا نبی آسکتا ہے تاکہ وہ نئی تشریع کرے اور سابق وحی کو اٹھائے اس لئے کہ نبی تشریع کرنے کے لئے آتا ہے۔ اور نبوت لائے بغیر تشریع نہیں کی جا سکتی۔

امام سرخسیؒ فرماتے ہیں۔ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی اس وقت بعثت کی جاتی ہے۔ جب لوگوں کو ان کے بیان کی ضرورت اور حاجت ہوتی ہے۔ اور اگر پہلے سے سابق نبی کی شریعت چلی آرہی ہے اور اسکی مدت ابھی باقی ہے۔ تو لوگوں کو نئی بعثت کی ضرورت اور بیان کی حاجت نہیں ہے۔ اور یہاں یقینی دلیل سے معلوم اور ثابت ہے۔ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد نبوۃ کیلئے کوئی نبی نہیں ہے۔ اس لئے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی شریعت کا قیامت تک کے لئے باقی رہنا بھی یقینی ہے۔ (اصول سرخسی ج ۲ صفحہ ۱۰۲-۱۰۱)

نبی کی بعثت کی ضرورت تشریع کے بدلنے کی حاجت کیلئے ہوتی ہے۔ اگر تشریع کی تبدیلی کی ضرورت نہیں ہے تو نبی کے آنے کی حاجت نہیں ہے۔ اور اگر تشریع کے بدلنے کی حاجت ہے تو نبی کا آنا ضروری ہے تو جسکو رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام کی سنت اور تشریع کے بدلنے کا حق دیا جاتا ہے۔ اسکو نبی تسلیم کرنا لازم اور ضروری ہے۔

شیخ ابن عربیؒ لکھتے ہیں: نبوت کے اجزاء اور صفات بہت ہیں۔ اور ان تمام کے مجموعہ کا نام نبوت ہے۔ اور جس میں نبوت کے تمام اجزاء اور صفات موجود نہیں ہیں، وہ نبی نہیں ہے۔ اس پر نبوت کا اطلاق جائز نہیں ہے۔ نبوت کا لازم اور ضروری جز یہ ہے۔ کہ وہ فرشتہ کے توسط اللہ کی وحی لیتا ہے۔ اور اس سے تشریع کرتا ہے۔ (فتوحات باب ۱۵۵ ج ۲ فصل ثالث)

شیخ ابن عربیؒ فرماتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تخلیق آدم سے پہلے نبی تھے۔ اور تمام شرائع کے باطن میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت اور نبوت تھی۔ اور تمام انبیائے سابقین تشریع کرنے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نائب تھے۔ اور جب آپ کی بعثت کا ظہور ہوا تو آپ کی شریعت اور تشریع میں آپ کی نبوت ظاہر ہوئی اور اسکی دلیل یہ ہے۔ آپ نے ارشاد فرمایا: کہ میں اس وقت بھی نبی تھا، جبکہ آدمؑ ابھی روح اور جسد کے درمیان تھے۔ اور اللہ کیطرف سے تشریع اور شریعت دئے بغیر نبوت نہیں ہوسکتی ہے۔ اس لئے آپ کے ظہور بعثت سے قبل بھی انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام آپکی

نیابت میں آپ کی شریعت کی تشریح کر رہے تھے۔ (فتوحات باب ۱۲ ص ۱۴۳ ج ۱)

غرض یہ ہے کہ نبی کی بعثت شریعت دینے کیلئے ہوتی ہے۔ اور جب وقت اور مصالح کا تقاضا بدل جاتا ہے تو حق تعالیٰ جدید تشریع کیلئے نئے نبی کو مبعوث فرماتا ہے۔ اگر کسی کو نبوت کا دعویٰ ہے۔ مگر تشریع کا انکار کرتا ہے۔ تو اسکی نبوت فضول ہے۔ اسکی ضرورت نہیں تھی اور اس کے پاس نبوت کا سب سے اہم جزء تشریع نہیں ہے۔ اسکو نبی نہیں کہا جائیگا اور اگر کوئی تشریع کرتا ہے۔ اگرچہ اس نے نبوۃ کا دعویٰ نہیں کیا ہے۔ تو وہ منصب نبوۃ کے بغیر پیغمبرانہ منصب پر بیٹھتا ہے۔ اور پیغمبرانہ وظائف کو اپنا حق جانتا ہے۔ اگر ادارہ تحقیقات اسلامی کے رئیس نے ہر ایک مستعد اور قابل شخص کو پیش نظر صورت حالات کے مطابق آزادانہ تعبیرات میں جاری اور زندہ سنت قائم کرنے کا حق دینا چاہا ہے۔ تو اس کے یہ معنی ہیں۔ کہ آپ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد بھی نبی کی آمد کو جائز سمجھا ہے یا نبی کے بغیر بھی تشریع کرنے کو آپ جائز سمجھتے ہیں۔

قرآن شریف نبی کے سوا کسی کو تشریع اور قانون سازی کا حق نہیں دیتا

قرآن شریف نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے سوا کسی کیلئے بھی خواہ وہ امیر ہے یا اس کا نائب ہے، فرد ہے، یا جماعت ہے۔ تشریع اور قانون سازی کا حق تسلیم نہیں کرتا ہے۔ قرآن شریف نے آباؤ اجداد کی تقلید کی اس لئے مذمت کی ہے کہ دین حق آباؤ اجداد کے احترام کی تقلید کا تابع نہیں ہوتا ہے۔ مسلمانوں کے امراء مسلمانوں کے فقہا اور مجتہدین سے قرآن شریف نے اس لئے اختلاف کرنے کا حق دیا ہے کہ قرآن شریف رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام کے سوا کسی کو بھی اپنے فکر و نظر میں اپنی فقہ و اجتہاد اپنے علم و عمل میں معصوم نہیں جانتا۔ ان میں ہر ایک سے غلطی ہو سکتی ہے۔ اور ہر ایک خطا کر سکتا ہے۔ اس لئے کتاب و سنت کے سوا کوئی شارع اور قانون ساز نہیں ہے۔ قطعی اور معصوم حجت صرف کتاب اور سنت ہے۔ قرآن شریف نے یہود اور نصاریٰ کو اپنے علماء اور درویشوں کو رب بنانے کا اس لئے الزام دیا ہے۔ کہ انہوں نے اپنے علماء اور درویشوں کے کہنے پر اللہ کے حرام کو حلال اور اللہ کے حلال کو حرام کر دیا تھا۔ عدی بن حاتمؓ نے جب رسول اللہ

صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کیا تمہارے علماء اور درویش جب تمہارے لئے اللہ کے حلال کو حرام اور اللہ کے حرام کو حلال کرتے تھے تو تم اسکو نہیں مانتے تھے۔ حضرت عدیؓ نے اقرار کرتے ہوئے کہا ہم ان کے کہنے کو اسطرح تسلیم کرتے تھے جسطرح انہوں نے کہا تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا انکی اس طرح کی حلت اور حرمت کو تسلیم کرنے کے یہ معنی ہیں کہ تم نے ان کو رب بنا دیا تھا۔ حضرت خدیجہؓ سے یہ سوال کیا گیا کہ کیا یہود و نصاریٰ اپنے علماء اور پیروں کی عبادت کیا کرتے تھے۔ آپ نے فرمایا نہیں بلکہ یہود و نصاریٰ اپنے علماء اور درویشوں کے حلال کو حلال اور ان کے حرام کو حرام کرتے تھے اور یہی ان کی عبادت تھی کہ ان کے حلال اور حرام کا فیصلہ تسلیم کرتے تھے۔

ابو البختریؒ فرماتے ہیں: اگر یہود اور نصاریٰ کے علماء ان کو یہ امر کرتے کہ وہ انکی عبادت کریں تو ان کا یہ کہنا وہ ہرگز نہ مانتے لیکن انہوں نے اللہ کے حلال کو ان کیلئے حرام اور اللہ کے حرام کو ان کے لئے حلال کر دیا۔ اور یہود و نصاریٰ نے ان کی اس تشریع کو جائز تسلیم کیا۔ اور یہ معنی ہے کہ یہود و نصاریٰ نے اپنے علماء اور درویشوں کو رب بنا دیا تھا۔ اسی طرح اگر ہم مسلمان بھی ادارہ تحقیقات اسلامی کے رئیس کے حسب تحریر سیاسی اور عسکری راہنماؤں یا امراء اور ان کے نائبوں کو خدا کے حرام کو حلال کرنے کا اور خدا کے حلال کو حرام کرنے کا حق دیدیں اور یہ تسلیم کرلیں کہ ان صاحبوں کی تقنین کی وہی حیثیت اور مقام ہے۔ جو صاحب نبوت صاحب تشریع علیہ الصلوٰۃ والسلام کی سنت کی حیثیت اور مقام ہے تو اللہ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان میں ہم ان صاحبوں کی بندگی کریں گے۔ اور ان کو ہم نے رب بنا دیا ہے ——— اعاذنا اللہ! کتاب و سنت کی صریح شہادت کے ہوتے ہوئے کتاب و سنت کے مقابلہ پر کسی شخصیت کی تشریع و قانون سازی اللہ کے دین میں لائق پذیرائی اور قابل تسلیم نہیں ہو سکتی ہے ———

نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تشریع کا مقام کیا ہے

قرآن شریف نے جس طرح رسول اللہ صلی اللہ وسلم کو دین کی تشریع اور تبیین کے لئے مخصوص اور متعین فرما دیا ہے۔ اسی طرح ہم کو رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ایک ایک امر اور نہی کی تعمیل پر مامور فرماتا ہے۔ اور رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام کی سنت کی مخالفت کرنے پر عذاب الیم

اور فتنۂ عظیم کی وعید سناتا ہے۔ اور حضورؐ کے امر اور نہی کے بعد کسی انسان کو اس کے کرنے اور نہ کرنے کا اختیار نہیں دیتا بلکہ ہر ایک مسلمان پر اسکی پابندی کو لازم کرتا ہے۔

مسند امام احمد حدیث صـ۳۳۰ میں مذکور ہے: حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے دباء، نقیر وغیرہ ایسے برتنوں کے استعمال سے منع فرمایا جس میں شراب استعمال کی جاتی تھی۔ اور استشہاد کیلئے سورۃ حشر کی یہ آیت تلاوت فرمائی: وما اٰتٰکم الرسول فخذوہ وما نھٰکم عنہ فانتھوا۔ ترجمہ:۔ (اور جو دے تم کو رسول سو لے لو اور جس سے منع کرے سو چھوڑ دے۔) اور بخاری کتاب التفسیر میں مذکور ہے: عبداللہ بن مسعودؓ نے بنی اسد کی ایک عورت ام یعقوب کے سوال کے جواب میں فرمایا میں ایسی عورت پر لعنت کیوں نہ کروں جس پر اللہ کے رسول نے لعنت کی ہے۔ اور قرآن شریف میں مذکور ہے۔ اور مسند امام احمدؒ حدیث صـ۴۹۴۵ میں مذکور ہے۔ کہ ابن مسعودؓ نے اپنی دلیل اور استدلال میں سورۃ حشر کی مذکورہ آیت پڑھی —— ابن مسعودؓ کے اس اثر اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مذکورہ بالا ارشاد سے یہی ثابت ہوتا ہے۔ کہ سورۃ حشر کی مذکورہ آیت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کے امر رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ہر ایک سنت اور حدیث کو جامع اور شامل ہے۔ نیز یہ بھی ثابت ہوتا ہے۔ کہ سورۃ حشر کی مذکورہ آیت میں خذوہ اور فانتھوا دو امر ہیں اور منزل من اللہ ہیں اور ہم سے رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ہر ایک امر اور نہی کی پابندی کا مطالبہ کرتے ہیں۔ اور رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام کے امر اور نہی کی پابندی کا التزام کرنا سورۃ حشر کی آیت میں مذکورہ امر اور نہی ما انزل اللہ کے امر اور نہی کی تعمیل اور پابندی ہے اور جو رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام کے امر اور نہی کی پابندی کا التزام نہیں رکھتا ہے۔ وہ ما انزل اللہ کی اللہ کے امر اور نہی کی تعمیل کی پابندی کا التزام نہیں کرتا ہے۔

قرآن شریف میں تشریع اور قانون سازی کا ضابطہ

قرآن شریف نے ایمان والوں کے لئے ما انزل اللہ کو قطعی اور آخری فیصلہ قرار دیا ہے اور اسکی اتباع کرنے پر مامور فرمایا ہے۔ اور ما انزل اللہ کے سوا کسی کی تقنین و تشریع کو قرآن شریف تسلیم نہیں کرتا اور اسکی اتباع کرنے سے روکتا ہے —— وان احکم بینھم بما انزل اللہ ولا تتبع اھواءھم واتبعوا ما انزل الیکم من ربکم ولا تتبعوا من دونہ اولیاء —— ترجمہ۔ (حکم کر ان میں موافق اس کے جو کہ اتارا اللہ نے اور ان کی خوشی پہ مت چل۔ چلو اسی پر جو

اترتم پر تمہارے رب کیطرف سے اور نہ چلو اس کے سوا اور رفیقوں کے پیچھے ۔)
ما انزل اللہ کے مخالف اور مقابل سب ھوی اور خواہش ہے ۔ اور خدا کی اتاری ہوئی ہدایات کو چھوڑ کر دوسروں کی خواہش اور ہوی پہ چلنا تباہ کاری اور گمراہی کا راستہ ہے۔ اس سے احتراز کرنا چاہیے۔ مسلمانوں کیلئے ما انزل اللہ کے سوا دوسرا قانون اور صحیح فیصلہ نہیں ہے ۔ ولا تتبع اھوائھم عما جاءک من الحق لکل جعلنا منکم شرعۃ ومنھاجا ۔ (سیدھا رستہ چھوڑ کر جو تیرے پاس آیا ہے ۔ ان کی خوشی پر مت چلو ہر ایک کو تم میں سے ہم نے دیا ہے ایک دستور اور راہ) مسلمانوں کے سامنے کیسی ہی عیارانہ اور فریب صورت پیش کی جائے مگر اس کے تسلیم کرنے سے روکے گئے ہیں ۔ اور ما انزل اللہ کی اتباع کرنے پر مامور فرمائے گئے ہیں ۔ اور بتایا گیا کہ ہر امت کا آئین اور طریقہ کار اس کے احوال و استعداد کے جداگانہ تھا ۔ اور تمہاری قابلیت اور استعداد کے مناسب یہی آئین اور طریقہ تمہیں دیا گیا ہے ۔ اس کو قائم رکھو تمہارے دستور اور شریع صرف یہی ہے ۔ اگرچہ دین کے تجدید پسندوں نے اس کے خلاف یہودیانہ لہجہ اختیار کیا اور ان کی لمبی زبانیں اللہ سے باہر آگئیں اور علمائے حق کے خلاف جگہ جگہ مختلف شکلوں میں دست وگریبان ہو رہے ہیں ۔ اور حالات و مصالح کی آڑ میں طعن و تشنیع کی زبانیں کھول دی ہیں ۔ مگر اللہ کا امر یہ ہے کہ ما انزل اللہ کے سوا مسلمان کے لئے کوئی دوسرا آئین اور طریقہ کار نہیں ہے ۔ اور یہودیت کے دلدادہ فرزندوں کے شور وغل پر کسی قسم کی توجہ اور التفات نہ کیا جائے بیشک یہ صحیح اور درست ہے کہ فقہاء اور مجتہدین نے فقہی اور اجتہادی رائے کو قائم کیا ہے ۔ اور لوگ ان کی تقلید بھی کرتے ہیں ۔ مگر ان حضرات نے ایسے وقت اور ایسے واقعہ میں فقہی رائے دی ہے ۔ جبکہ اس واقعہ کے لئے ما انزل اللہ میں اثبات اور نفی کا حکم مذکور نہیں تھا ۔ تو ما انزل اللہ کی کلیت اور جامعیت سے فکر و نظر کی پوری توجہ اور تدبر میں اہل فقہ و اجتہاد نے کوئی حکم حاصل کیا ۔ تو وہ درحقیقت ما انزل اللہ کی تفصیل اور توضیح ہوتی ہے ۔ اور ما انزل اللہ کا حزب مخالف نہیں ہوتا ہے ۔ نیز فقہاء اور مجتہدین نے ایسی تشریح نہیں کی ہے کہ قرآن و سنت کی تشریع کی طرح اسکی اتباع ضروری اور اسکی مخالفت حرام ہے ۔ ایک مجتہد نے دوسرے مجتہد کی رائے اور اجتہاد کی مخالفت کی ہے ۔ اور امت کے اہل علم نے کسی وقت بھی اس پر گرفت نہیں کی ہے ۔ مجتہدین نے اپنی تقلید کی کسی وقت بھی دوسروں کو دعوت نہیں دی ہے ۔ بلکہ دوسروں کو اپنی تقلید سے ہمیشہ منع کیا ہے ۔ مجتہدین صرف اپنے مجتہدات کو مسلمانوں کیلئے ایک متعین دستور

اور آئین بنانے سے مسلمان فرمانرواؤں کو روکا ہے۔ جیسا کہ شاہ ولی اللہؒ نے حجۃ اللہ البالغہ میں لکھا ہے کہ جب منصور عباسی نے اپنے وقت میں اور ہارون الرشید نے اپنے وقت میں امام مالکؒ سے کہا کہ ہم چاہتے ہیں کہ لوگ صرف آپ کی کتاب موطا کے مسائل پر عمل کریں۔ اور ہم اس کے لئے شاہی فرمان صادر کر دیں تو آپ نے ان کو جواب دیتے ہوئے فرمایا آپ ایسا نہ کریں صحابہؓ کے مختلف فتاوی شہروں میں پہنچ گئے ہیں۔ اور ان پر قوموں نے عمل درآمد کیا ہے۔ لوگوں کو اسی حالت پر رہنے دیا جائے جسکو انہوں نے اپنے لئے پسند کیا ہے۔

فقہاء اور مجتہدین کے مجتہدات کی یہی حقیقت تھی جو آپ نے پڑھ لی ہے۔ لوگوں نے ان کی تقلید کی مگر اپنی مرضی اور پسند پر جس کا قول چاہا اسکو اختیار کیا۔ اور اس پر عمل کیا ہے۔ ان حضرات نے یا کسی مسلمان فرمانروا نے کسی کو کسی کی تقلید اور اجتہاد کی اتباع پر مجبور نہیں کیا تھا۔

یہ عجیب سی بات ہے کہ اپنے خیالات کو اسلام کے نام پر اور عیسائی کارنیلیس کے انتساب پر قانون بنایا جاتا ہے۔ اور یہ توقع کی جاتی ہے۔ کہ حکومت اس کے تسلیم کرنے پر لوگوں کو مجبور کرے! اس تملق اور ناروا اجتہاد کو اسلام کب برداشت کریگا۔ بیشک یہ درست ہے۔ کہ حق تعالیٰ نے انسانی فکر و اجتہاد کو بالکل بیکار اور معطل نہیں کیا ہے۔ لیکن اس کے لئے حد بندی کر دی گئی ہے۔ اس کے عمل کے لئے ایک دائرہ ہے۔ اور اس کے اندر اپنے فکر اور اجتہاد کے مناسب اپنی سعی و عمل سے پورا پورا استفادہ کرے اور وقت کے مقتضیات پر نظر کرکے باہمی مشورہ سے جسطرح چاہیں تعین کریں۔ انسانی فکر و نظر کا دائرہ قرآن شریف نے اپنے بلیغ اور جامع اسلوب میں یہ بتایا ہے۔ کہ جن امور میں ما انزل اللہ کا حکم منصوص مذکور نہیں ہے۔ ان میں یہ اختیار دیا گیا ہے۔ کہ وقت کے پیش نظر حالات کے مناسب ما انزل اللہ کے منصوص احکام میں غور و تدبر کے بعد ایسا حکم حاصل کیا جائے۔ کہ وہ کتاب و سنت کے مزاج کے مناسب ہے اور یہ خیال ہو سکتا ہے کہ کتاب و سنت سے بھی ایسے حکم دینے کی توقع کا امکان تھا۔ اور اس طرح قرآن شریف نے جمہور کو قانون سازی کے لئے مباحات کا وسیع دائرہ دیا ہے۔ اور اسکی دلیل یہ ہے کہ قرآن شریف نے اپنے بیان کے اسلوب میں منفی طریقہ اختیار فرمایا اور ارشاد فرمایا۔ (اور جو کوئی حکم نہ کرے ما انزل اللہ کے موافق تو وہ کافر ہے۔) (ظالم ہے) (فاسق ہے) اگر ما انزل اللہ موجود ہے۔ اور اس کے موجود ہونے کے باوجود بھی جو اس پر حکم نہ کرے تو وہ کافر ہے یا ظالم ہے یا فاسق ہے اور اگر ما انزل اللہ میں منصوص حکم مذکور نہیں ہے۔ تو پھر کسی حکم کی تجویز کفر یا ظلم یا فسق

نہیں ہے۔ بلکہ ایسی صورت میں قانون سازی اور دستوری تجویز کی گنجائش ہے۔ قرآن شریف نے غیر ما انزل اللہ کے موافق حکم کرنے کو کفر یا ظلم یا فسق نہیں کہا ہے۔ بلکہ ما انزل اللہ کے موافق حکم نہ کرنے کو کفر یا ظلم یا فسق کہا ہے۔ لیکن ما انزل اللہ اگر مذکور نہیں ہے تو اسکی موافقت اور اس پر حکم نہ کرنے کا سوال نہیں ہے۔ ما انزل اللہ کی موافقت کا مطالبہ اور اسکی مخالفت کی وعید اس وقت ہے جب ما انزل اللہ موجود ہے اور اسکی موافقت نہ کی جائے۔ اگر قرآن شریف مثبت اسلوب میں تعبیر فرماتا تو اس کے یہ معنی ہوتے کہ غیر ما انزل اللہ کے موافق حکم دینا کفر یا ظلم یا فسق ہے تو پھر جمہور کے لئے مباحات کے دائرہ میں بھی قانون سازی کی اجازت کا ضابطہ قرآن کے بیان اسلوب سے مستفاد نہ ہوتا۔ قرآن شریف نے موجودہ اسلوب بیان میں منفی طریقہ اختیار کرنے میں اس شرط پر قانون سازی کی اجازت دی ہے کہ ما انزل اللہ میں منصوص حکم مذکور نہیں ہے۔ تو غور و تدبر اور فکر و اجتہاد سے پورا پورا استفادہ کیا جائے اور وقت کے مناسب مقتضیات کے موافق دستور بنایا جائے۔

(باقی آئندہ)

حضرت مولانا امین گل صاحب مدظلہ

صدر مدرس مدرسہ عربیہ ٹل

التبرک بآثار الصالحین

آثار صالحین کے تبرک کے متعلق برائے وضاحت چند احادیث مقدسہ نقل کرکے پیش کررہا ہوں، تاکہ یہ ثابت ہوسکے کہ یہ طریقہ مسنونہ سلف صلحاء سے منقول ہوکر چلا آرہا ہے۔ اور کسی نے اسکو برا نہیں سمجھا ہے۔

عن اسماء بنت ابی بکر الصدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہا انہا اخرجت جبۃ طیالیسۃ کسروانیۃ لہا لبنۃ (رقعۃ فی جیب القمیص نووی) دیباج وفرجیہا مکفوفین بالدیباج فقالت ھذہ کانت عند عائشۃ حتی قبضت فلما قبضت قبضتہا وکان النبی صلی اللہ علیہ وسلم یلبسہا فنحن نغسلہا للمرضیٰ نستشفی بہا۔ آہ ج۲ مسلم ۲ ص ۱۹۰

حضرت اسماءؓ سے روایت ہے۔ کہ انہوں نے ایک طیلسانی کسروانی جبہ نکالا جس کے گریبان اور دونوں چاک پر ریشم کی سنجاف لگی تھی۔ اور کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا جبہ ہے۔ جو حضرت عائشہؓ کے پاس تھا۔ ان کی وفات کے بعد میں نے ان سے لے لیا۔ حضور علیہ السلام اسکو پہنا کرتے تھے۔ ہم اسکو پانی میں دھوکر وہ پانی بیماروں کو پلا دیتے ہیں، شفا حاصل کرنے کیلئے (راس الاربعین ص ۵۲۵ حکیم الامت تھانویؒ المتوفی ۱۳۶۲ھ)

اس حدیث شریف کی شرح میں امام نوویؒ المتوفی ۶۷۶ھ فرماتے ہیں۔ کہ اس حدیث میں دلیل ہے۔ کہ صالحین کے آثار اور ان کے مبارک کپڑوں سے تبرک حاصل کرنا مستحب ہے۔

وفیہ دلیل علی استحباب التبرک بآثار الصالحین وثیابہم۔ آہ۔ نووی ص ۱۹۱ ج ۲ ۔

ہجرت نبویؐ کے اولین دور اور ابتدائی ایام میں جب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابو ایوب انصاریؓ کے مکان میں تشریف فرما ہو کر سکونت پذیر ہونے لگے۔ اور کھانا بھی وہ

اپنے گھر میں پکا کر بھیجنے لگے۔ تو ان کا معمول تھا کہ جب وہ بچا ہوا طعام دربارِ رسالت سے واپس اُن کے ہاں پہنچ جاتا۔ تو جس جگہ پر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی انگلیوں کے نشان پاتے۔ تو انہی مقامات سے تبرکاً کھا لیا کرتے۔ فإذا جيئ إليه سأل عن موضع اصابعه فيتتبع موضع اصابعه صلی اللہ علیہ وسلم۔ مسلم شریف صـ ۱۸۳/۲ ۔

امام نوویؒ فرماتے ہیں۔ کہ اس سے اہل الخیر کے بقیہ طعام سے تبرک حاصل کرنا ثابت ہوا۔ ففيه التبرك بآثار اهل الخير في الطعام وغيره آه - نوویؒ صـ ۱۸۳/۲ ــــ اور سلف صالحین کا بھی یہی قاعدہ تھا۔ ونقلوا ان السلف كانوا يستحبون افضال هذه الفضلة المذكورة وهذا الحديث اصل ذالك كله (نوویؒ صـ ۱۸۳/۲ ۔)

صالحین کے لباس سے تبرک

کسی صحابیہؓ نے اپنے ہاتھ کی بنی ہوئی چادر دربارِ رسالت میں بدیں غرض پیش کی۔ کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اسکو پہن لیں۔ اللہ کی شان دیکھئے، اُسی وقت حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو ضرورت بھی تھی، حضورؐ نے قبول فرما کر پہن لی۔ اتفاقاً ایک صحابیؓ نے درخواست پیش کی ــــ کہ یا رسول اللہ! مجھے عنایت کیجئے۔ حضورؐ نے فرمایا: بہت خوب۔ لے لو۔

حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے چلے جانے کے بعد صحابہ کرامؓ اسکو ملامت کرنے لگے کہ تم کو خوب معلوم ہے۔ کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کسی سائل کا سوال رَد نہیں کرتے، اور ان کو ضرورت تھی مگر تم نے مانگ لی۔ ایسا کرنا ٹھیک نہیں تھا ــــ صحابیؓ نے جواباً کہا کہ میں نے اس لئے مانگی کہ شاید میں اس میں موت کے بعد کفنایا جاؤں۔ اور یہ تبرک مجھے نصیب ہو جائے۔

فلما قام النبي صلى الله عليه وسلم لامه اصحابه۔ فقالوا ما احسنت حين رأيت النبي صلى الله عليه وسلم اخذها (البردة) محتاجاً اليه۔ ثم سألته اياها۔ وقد عرفت انه لا يسأل شيئاً فيمنعه۔ فقال رجوت بركتها۔ حين لبسها النبي صلى الله عليه وسلم لعلي اكفن فيها ــــ رواه البخاريؒ عن سهل ابن سعد صـ ۸۹۳/۲ ۔

عن ام عطيةؓ في قصة غسل زينب بنت النبي صلى الله عليه وسلم وتكفينها قالت فالقى حقوه فقال اشعرنها اياه۔ متفق عليه (مشکوٰۃ صـ ۱۵۱)

اس حدیث شریف کا ترجمہ میں خود نہیں کرتا۔ بلکہ حکیم الامت علامہ تھانوی المتوفی ۱۳۶۲ھ کا

۱؎ وهكذا في فتح الباري وفيه التبرك بآثار الصالحين آه صـ ۳۶۲/۲

ترجمہ پیش کرتا ہوں ۔ وہ فرماتے ہیں : حضرت ام عطیہؓ حضرت زینبؓ بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے غسل وکفن کے واقعہ میں روایت کرتی ہیں۔ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا تہبند ہمارے پاس ڈال دیا۔ کہ اس کو مرحومہ کے بدن سے مماس کر کے پہناؤ یعنی سب سے نیچے اسکو رکھو (تاکہ اسکی برکت بدن سے متصل رہے)

حضرت شیخ عبدالحق صاحبؒ المتوفی ۱۰۵۲ھ لمعات شرح مشکوٰۃ میں اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں۔ کہ یہ حدیث آثار وملبوسات صالحین سے برکت لینے میں اصل ہے۔

معلوم ہوا۔ کہ تبرکات سے برکت حاصل کرنے کا ایک یہ بھی طریقہ ہے۔ کہ بعد موت کے اسکو کفن میں رکھ دیا جائے ۔ (مواعظ اشرفیہ رأس الراجعین ص۲۰ از حکیم الامت تھانویؒ)

رئیس الاولیا رشاہ فقیر اللہ صاحب ۔ مکتوبات میں فرماتے ہیں :

واوصٰی عمر بن عبدالعزیزؒ ان یدفن معہٗ شعر کان عندہٗ من شعر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وقال اذامت فاجعلوہ فی کفنی ففعلوا ذالک وروی محمد ابن سعدؒ کاتب الواقدی بسندہٖ فی طبقاتہٖ وغیرہٖ انہ لما احتضر معاویہؓ اوصٰی ان یکفن فی قمیص کساہ ایاہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وان یجعل من ما یلی جسدہ وکان عندہ قلامۃ اظفار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فاوصٰی ان یسحق ویجعل فی عینیہ وفمہ وقال افعلوا ذالک بی ۔ وخلوا بنی وبین ارحم الراحمین ۔ (مکتوبات شاہ فقیر اللہ صاحب السید العلویؒ ص۱۴۳ مکتوب چہل ویکم)

حاصل یہ ہے کہ ۱۔ عمر بن عبدالعزیزؒ نے وصیت فرمائی۔ کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے موئے مبارک کو میرے کفن میں رکھ کر میرے ساتھ دفنایا جاوے ۔

۲۔ مرتے وقت حضرت امیر معاویہؓ نے وصیت کی۔ کہ مجھے اُس قمیص میں کفنایا جائے۔ جو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے مجھے پہنائی تھی ——— اور میرے پاس جو تراشیدہ ٹکڑے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک ناخنوں کے محفوظ ہیں۔ وہ پیس کر میرے منہ اور میری آنکھوں میں ڈالا جائے۔ پھر میرا اور میرے رحیم پروردگار کا معاملہ ہوگا ۔ تم لوگ بیچ سے نکل جاؤ ۔ اور مجھے اکیلا اس کے سامنے رکھ چھوڑو ۔ وہی ارحم الراحمین ہے۔

مبارک پسینہ

ایک موقعہ پر حضرت انسؓ ابن مالک کی والدہ ام سلیمؓ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا مبارک پسینہ

اپنی بوتل میں جمع کر رہی تھیں۔ جبکہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سو رہے تھے۔ بیدار ہوکر حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا۔ یہ کیا کر رہی ہو۔؟ ام سلیمؓ نے کہا۔ کہ بامید برکت اپنے بچوں کیلئے (جمع کر رہی ہوں) حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اسکی تحسین کی۔ اور فرمانے لگے۔ کہ ٹھیک ہے۔ تم اپنی مراد میں کامیاب ہوگئی۔

فَفَزَعَ (اِسْتَیقَظَ مِنْ نَومِہٖ) النبی صلی اللہ علیہ وسلم فقال ما تصنعین یا ام سلیم؟ فقالت یا رسول اللہ! نرجو برکتہٗ فقال اَصَبْتِ اھ (مسلم شریف صفحہ ۲۵۷ ج۲ باب طیب عرقہ صلی اللہ علیہ وسلم والتبرک بہ)

حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے مبارک پسینہ کو تبرکاً لینے اور جمع کرنے والی عورت ام سلیمؓ کی تحسین کی۔ اور منع نہیں فرمایا۔

حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم جب نمازِ صبح سے فارغ ہوتے۔ تو خدامِ مدینہ پانی کے برتن بھر بھر کر لاتے۔ تاکہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اپنے مبارک اور پاکیزہ ہاتھ اس میں ڈبو دیں۔ اور لوگ تبرک حاصل کریں۔ راوی حضرت انسؓ ابن مالک فرماتے ہیں۔ کہ بسا اوقات ایسا بھی ہو جاتا۔ کہ لوگ سخت سردی کے موسم میں پانی لے آتے۔ اور حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اس میں بھی اپنا مبارک ہاتھ ڈبو دیتے۔

عن انسؓ بن مالک قال کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم اذا صلی الغداۃ جاء خدم المدینۃ بآنیتہم فیہا الماء۔ فما یُوتٰی باناءٍ الّا غمس یدہٗ فیہ وربما جاءہٗ فی الغداۃ الباردۃ فیغمس یدہٗ فیہا اھ (مسلم شریف صفحہ ۲۵۶ ج۲ باب قرب صلی اللہ علیہ وسلم من الناس وتبرکہم بہ وتواضعہ لہم۔

اسکی شرح میں امام نوویؒ المتوفی ۶۷۶ھ فرماتے ہیں:

وفیہ التبرک بآثار الصالحین وبیان ما کانت الصحابۃؓ علیہ من التبرک بآثارہ صلی اللہ علیہ وسلم وتبرکہم بادخال یدہ الکریمۃ فی الآنیۃ اھ نووی علی المسلم صفحہ ۲۵۶ ج۲۔

★

جلسۂ دستاربندی

آنکھوں دیکھا حال

دارالعلوم کا علمی جشن

از مولانا محمد یعقوب القاسمی فاضل حقانیہ پشاور

آج بروز جمعرات ۵ر اکتوبر ۱۹۶۷ء کو عصر کی نماز کے قریب اکوڑہ کی سرزمین پر قدم رکھا۔ سامنے ہی مادر علمی قبلۂ علمی کو دیکھ کر دل میں سرور، آنکھوں میں نور، دماغ میں راحت، سینے میں جذبۂ محبت وعقیدت ابھرا۔ دارالعلوم کی عالیشان عمارت اور ساتھ ہی عظیم مسجد۔ پھر مسجد کا بلند وبالا منقش مینار جو کہ علم کا مینار ہے عجیب منظر پیش کر رہا تھا۔

الحمدللہ کہ ہمارا یہ قبلۂ علمی سال بسال ترقی کر رہا ہے۔ اب تک اس دارالعلوم سے سات سو فضلاء کرام فارغ التحصیل ہو چکے ہیں۔ اور پھر دارالعلوم کو یہ شرف بھی حاصل ہے کہ اس کا ہر ایک فاضل دین اسلام کی خدمت میں مختلف جگہوں پر لگے ہوئے ہیں۔ کوئی بھی ایسا نہیں، جو خدمت دین میں مصروف نہ ہو ــ اب بھی ہفتہ کے روز سے شروع ہونے والے عظیم اجلاس میں تین سو فارغ التحصیل فضلاء کی دستاربندی ہونی ہے۔

دارالعلوم پہنچ کر سیدھا دفتر اہتمام میں گیا۔ ابن شیخ الحدیث حضرت مولانا سمیع الحق صاحب مدیر ماہنامہ الحق اور دوسرے حضرات سے ملاقات ہوئی۔ چونکہ نماز کا وقت قریب تھا۔ اس لئے فوراً مسجد پہنچا۔ سینکڑوں کی تعداد میں دور دراز کے فضلاء پہنچ چکے تھے۔ استاذنا المعظم شیخ الحدیث حضرت العلامہ مولانا عبدالحق صاحب دامت برکاتہم مسجد میں رونق افروز ہو کر نوافل میں مشغول تھے۔ اسی طرح مسجد میں کوئی ذکر اللہ میں مشغول، کوئی نوافل میں مشغول کوئی وضو کر رہا ہے۔ صفیں بنی ہوئی ہیں۔ اب جماعت کھڑی ہوئی۔ حضرت شیخ الحدیث دامت برکاتہم نے نماز پڑھائی ــ اس وقت ایک عجیب سا منظر ہے۔ جگہ بھی مقدس ہے۔ جماعت بھی مقدس ہے۔ کیوں نہ ہو یہ تو مہمانان رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی جماعت ہے۔

جن کے پاؤں تلے فرشتے اپنے پر بچھاتے ہیں۔ کیا یہ شرف دنیا کے کسی بادشاہ کو نصیب ہوا ہے ۔ قیصر و کسریٰ جیسی سلطنت رکھنے والے بھی ان بوریا نشینوں اور چٹائیوں پر لیٹنے والوں کے آگے ہیچ ہیں۔ فرشتوں کی سلامی اسی بوریا نشینوں کو ملتی ہے۔

جماعت ہو چکی۔ جلسہ کے انتظامات کے سلسلہ میں حضرت الشیخ دامت برکاتہم نے طلباء کرام کو کچھ ارشادات فرمائے۔ فرمایا :" بھائیو! یہ دارالعلوم ہم سب کا ہے۔ یہاں پر میں اور آپ سب برابر ہیں۔ یہ دارالعلوم دین کی خدمت کیلئے قائم ہوا ہے۔ اب جلسہ دستار بندی انشاء اللہ ہفتہ کے روز شروع ہو رہا ہے۔ باہر سے مہمانوں نے تشریف لانا ہے۔ ہمیں چاہیئے کہ باہر سے آنے والے مہمانوں کی خدمت گزاری میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کریں۔ ہزاروں لوگ آتے ہیں۔ اس لیئے نظم و ضبط کو قائم رکھنا ہوگا۔ خداوند تعالیٰ اس جلسہ کو جو کہ خالص دینی و مذہبی اجتماع ہے، اسے دارالعلوم کی ترقی، آپ کی ترقی اور دین کی ترقی کا باعث بنا دے "

حضرت الشیخ کے ارشادات کے بعد مختلف انتظامی کمیٹیاں بنائی گئیں۔ چند نام یہ ہیں :-

خدامِ العلماء ۔ خدامِ مطبخ ، خدامِ مطعم ، خدامِ آب رسانی ، خدامِ جلسہ ، خدامِ سٹیج ، وغیرہ وغیرہ ۔ ہر کمیٹی کے لئے ناظموں کا انتخاب بھی کیا گیا۔ انتظامات کے متعلق بار بار ہدایات ہوتی رہیں آپ حیران ہوں گے کہ اتنی کمیٹیاں کیوں بنائی گئیں ——— غرض یہ ہے کہ دارالعلوم جسطرح ممتاز حیثیت رکھتا ہے اسی طرح اس کے جو اجتماعات ہوتے ہیں۔ وہ بھی ممتاز حیثیت کے حامل ہوتے ہیں۔ اجتماع میں شرکت کرنے کیلئے مہمانوں کے علاوہ دوسرے ہزاروں کی تعداد میں آئے ہوئے لوگوں کو باقاعدہ دارالعلوم کی طرف سے کھانا صبح و شام دیا جاتا ہے۔ اور یہ طریقہ دوسرے اجتماعات کا نہیں۔

اب کمیٹیاں بنانے کے بعد حضرت الاستاذ دامت برکاتہم نے اس انداز اور سوز میں دعا فرمائی کہ ہمیں تو آنسو آگئے۔ حضرت الشیخ کی عاجزی و انکساری ، اللہ اللہ ——— اب حضرت الشیخ دامت برکاتہم سے ملاقات کی وہ بیٹھے ہوئے تھے اُٹھ کر محبت سے گلے لگا لیا، حال احوال دریافت فرمائے۔ ان کو اپنے فضلاء و طلباء سے کتنی محبت اور کس قدر انس اور کتنا لگاؤ ہے، اس کا اندازہ مشکل ہے۔ مجھے معلوم ہوا کہ اسلام اور علم دین کے حق میں اس اجتماع کی کامیابی کے لئے ایک ماہ سے دعائیں جاری ہیں۔

جوں جوں وقت گذرتا جاتا ہے ، دارالعلوم میں گہما گہمی بڑھ رہی ہے جن کی دستار بندی ہونی ہے وہ بھی اور دوسرے فضلاء بھی دھڑا دھڑ پہنچ رہے ہیں۔ ساتھی آپس میں مل کر ایک دوسرے سے بغلگیر ہو رہے ہیں۔ مصافحے ہو رہے ہیں۔ چہروں پر خوشی و مسرت کی لہریں دوڑ رہی ہیں۔ رات بھر چہل پہل جاری رہی۔

جمعۃ المبارک ۸ ر اکتوبر | آج صبح سویرے عظیم علمی شخصیت حضرت العلامہ مولانا شمس الحق صاحب افغانی

بہاولپور سے دارالعلوم کے اجتماع میں شرکت کرنے کیلئے تشریف لے آئے ۔عظیم الشان استقبال کیا گیا۔۔۔ قیام گاہ تشریف لے گئے ۔حضرت شیخ الحدیث بھی ساتھ ہیں ۔ بات چیت ہو رہی ہے۔

حضرت افغانی مدظلہ نے فرمایا کہ "کئی اسٹیشنوں پر احباب آتے رہے اور وقت مانگتے رہے میں اب بھی دارالعلوم حقانیہ کی خاطر ۲۰ جلسوں کا پروگرام ملتوی کر کے یہاں آیا ہوں ۔ ساتھیوں کو میں نے کہا کہ دارالعلوم حقانیہ افضل المدارس ہے۔ اس لئے سب کچھ چھوڑ کر وہاں جانا ہے۔ اسی طرح میرے نزدیک دارالعلوم کا ماہنامہ الحق بھی افضل الرسائل ہے ۔ اسی لئے میں اس کے لئے ہی مضامین لکھ کر بھیج دیتا ہوں"

ناشتہ کرنے کے بعد حضرت افغانی نے تمام مدرسے کا معائنہ فرمایا ۔کتب خانہ بھی ملاحظہ فرمایا ۔ اور بے انتہا خوشی و مسرت کا اظہار فرمایا ۔

قارئین کرام ! آپ یہ پڑھ کر بہت خوش ہوں گے کہ دارالعلوم حقانیہ کی سند کو دنیائے اسلام کی پہلی عظیم یونیورسٹی "جامعہ ازہر مصر" نے بی ۔اے کے برابر درجہ دے دیا ہے ۔ حال ہی میں وہاں سے ایک چٹھی موصول ہوئی ہے جو کہ دارالعلوم کے دفتر اہتمام میں موجود ہے ۔ دارالعلوم کے کتب خانہ میں حکومتِ مصر نے اپنی نگرانی میں صحیح طریقے سے تمام اغلاط سے پاک مصری چھاپ میں قرآن چھاپا ہے ۔ صدر ناصر کے دستخطوں سے مزین ایک نسخہ قرآن دارالعلوم حقانیہ کے کتب خانہ میں موجود ہے ۔حکومتِ مصر کا یہ ایک قابلِ قدر عطیہ ہے ۔

جلسہ گاہ میں سٹیج بن چکا ہے ۔ آج خیمے وغیرہ بھی لگ گئے ہیں ۔مسجد کے میناروں پر اور جلسہ گاہ میں سینکڑوں قمقمے لگا دئے گئے ہیں ۔

آج نماز جمعہ حضرت شیخ الحدیث نے مکان کے متصل اپنی مسجد میں پڑھائی ۔ دور دراز سے عوام وخواص جمعہ کے اجتماع میں شرکت کیلئے آئے ہوئے ہیں ۔ حضرت الشیخ نے علم سے لبریز خطاب بھی فرمایا ۔۔۔ اب جوں جوں دن ختم ہو رہا ہے دارالعلوم میں مہمانوں کی تعداد میں اضافہ ہوتا جا رہا ہے ۔مختلف پروگرام طے ہو رہے ہیں ۔

اب سورج غروب ہو چکا ہے ۔ اندھیرا چھا رہا ہے ۔ دارالعلوم کے در و دیوار جگمگا رہے ہیں ۔ جنگل میں منگل کا سماں بندھا ہوا ہے ۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ انوارات الٰہیہ کی بارش ہو رہی ہے ۔ اور حقیقتاً ایسا ہی ہے ۔یہاں تو قال اللہ و قال الرسولؐ کی صدائیں بلند ہوتی ہیں ۔ رحمتِ الٰہیہ اس طرف متوجہ ہے ۔ جلسہ کیلئے انتظامات آج رات تک قریباً مکمل ہو گئے ہیں ۔۔۔ یہ رات عجیب پُر نور ہے ۔مسجد کے میناروں سے ٹیپ ریکارڈ کے ذریعہ مسجد نبوی مدینہ طیبہ کی اذانیں ، مسجد حرام کے منظر

مطاف میں طائفین کا تکبیر و تہلیل اور تلبیہ وغیرہ نے ایک عجیب سماں باندھا۔

ہفتہ۔ ۱۸ اکتوبر | آج فرط و انبساط کی لہر ہر ایک کے قلب میں دوڑ رہی ہے۔ نہایت ہی چہل پہل ہے۔ اکابرین ملت کی آمد آمد ہے ـــ حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد ادریس صاحب کاندھلوی تشریف لے آئے ہیں۔ استقبال ہُوا۔ قیام گاہ میں حضرت مہتمم مولانا عبدالحق صاحب کے ہمراہ رونق افروز ہو گئے ہیں۔ حال احوال معلوم کئے جا رہے ہیں۔ بڑے ہی خوشی و مسرت کے عالم میں فرمایا "الحمدللہ مدرسہ بہت اچھا ہے اللہ تعالیٰ اسے صدقۂ جاریہ بنائے اور قیامت تک قائم رکھے"

آج یکے بعد دیگرے اکابرین علمار کرام کی آمد کا سلسلہ جاری ہے۔ حافظ الحدیث حضرت مولانا عبداللہ درخواستی دامت برکاتہم اور دوسرے اکابر شیخ المحدثین حضرت عزیر گل، جانشین شیخ التفسیر حضرت مولانا عبیداللہ انور دامت برکاتہم، حضرت مولانا خان محمد کندیاں شریف، رفیق شیخ الہند اسیر مالٹا حضرت مولانا عزیر گل، حضرت مولانا محمد علی جالندھری، خطیب ملت حضرت مولانا احتشام الحق تھانوی۔ حضرت مولانا مفتی عبدالقیوم پوپلزئی، حضرت مولانا سید گلباد شاہ، حضرت مولانا محمد اجمل لاہوری، حضرت مولانا عبدالہادی شاہ منصور، حضرت مولانا قاضی زاہد الحسینی، مولانا عبدالقدوس صدر شعبۂ اسلامیات پشاور یونیورسٹی، حضرت مولانا عبدالحکیم، حضرت مولانا قاری محمد امین، حضرت مولانا سید محمد ایوب جان بنوری، مولانا عزیز الرحمان سوات، مولانا محمد اشرف ایم۔ اے پشاور اور دوسرے ممتاز علمار کرام رونق افروز ہو چکے ہیں۔ اکثر حضرات کا نہایت گرمجوشی سے استقبال ہُوا ـــ دارالعلوم میں عوام و خواص ہزاروں کی تعداد میں موجود ہیں۔ ان ہزاروں عوام و خواص کے طعام وغیرہ کا انتظام دارالعلوم کی طرف سے کیا گیا ہے۔ دارالاقامہ کے تمام کمرے علمار کے لئے مخصوص کر دئے گئے ہیں۔ اس کے علاوہ بعض کمروں پر قرآء مصر، علمار سوات، فضلاء دارالعلوم، علمار جمعیۃ العلمائے اسلام وغیرہ کی تختیاں چسپاں ہیں۔

نماز ظہر کی اذان ہو چکی ہے۔ مسجد میں تل دھرنے کی جگہ مسجد کے باہر بھی صفیں بچھ رہی ہیں چھتوں پر بھی صفیں ہیں۔ دور دور تک کاتی صفیں ہیں۔ دارالعلوم کی جامع مسجد کا اندرونی دالان جس میں تقریباً ۵۰۰ مصلے ہیں۔ اور باہر کا صحن بھی اسی طرح بہت ہی کشادہ ہے۔ مسجد کی تعمیر پر تقریباً دو لاکھ کی لاگت ہوئی ہے۔ اور اب تک کچھ تعمیر باقی ہے۔

نماز کے بعد ۲ بجے پروگرام کے مطابق عظیم الشان تاریخی جلسہ کا افتتاح تلاوت سے ہُوا۔ مولانا قاری محمد امین اور مولانا قاری عبدالحلیم نے تلاوت کی۔ حضرت العلامہ شیخ الحدیث مولانا عبدالحق صاحب دامت برکاتہم مہتمم دارالعلوم حقانیہ نے افتتاح فرمایا اور مہمانوں کو خوش آمدید کہا۔ اجلاس کی صدارت شیخ المحدثین قطب سرحد

حضرت مولانا نصیر الدین غورغشتی دامت برکاتہم نے فرمائی۔ حضرت مولانا محمد ادریس صاحب کاندھلوی نے خطاب فرمایا۔ اس کے بعد سال اوّل یعنی ۱۳۸۲ھ کے فارغ التحصیل فضلاء کی دستاربندی ہوئی۔ اور پہلی نشست برخاست ہوگئی۔۔۔ نماز مغرب کے بعد دوسری نشست مولانا مسرت شاہ کاکاخیل کی صدارت میں ہوئی صدارت کے فرائض جانشین شیخ التفسیر حضرت مولانا عبید اللہ انور دامت برکاتہم نے ادا فرمائے۔ مولانا عبد الحکیم صاحب نقشبندی نے پشتو میں تقریر فرمائی۔

اجتماع میں ہزاروں کی تعداد میں عوام وخواص موجود ہیں۔ امیر وغریب ایک ہی جگہ بیٹھے ہوئے ہیں۔ اندازہ ہے کہ اس وقت باہر سے تشریف لانے والے حضرات کی تعداد تیس چالیس ہزار سے کم نہیں۔ سڑک کے دونوں کنارے تقریباً آدھ میل تک کاریں بسیں اور ٹرک کھڑے نظر آرہے ہیں ۔۔۔۔۔ اب حافظ الحدیث حضرت درخواستی دامت برکاتہم کی تقریر شروع ہوئی، علم وحکمت کے موتی بکھیرے جارہے ہیں۔ الحمد للہ، سبحان اللہ کی صدائیں بلند ہورہی ہیں۔ حضرت دامت برکاتہم نے تقریر کے بعد رات کو ہی واپس تشریف لے جانا ہے۔ اس لئے مختصر مگر جامع خطاب فرمایا اور اس نشست میں حضرت درخواستی صاحب اور جانشین شیخ التفسیر حضرت مولانا انور صاحب اور دیگر حضرات کے مبارک ہاتھوں سے چند ایک فضلاء کی دستاربندی بھی ہوئی۔ اس گروپ میں راقم الحروف بھی شامل تھا۔ الحمد للہ۔

حضرت درخواستی کے بعد مصر کے ایک ممتاز قاری نے تلاوت قرآن پاک کرکے حاضرین کو محظوظ کیا۔۔ اب علامہ دوراں حضرت مولانا شمس الحق افغانی صاحب کی تقریر شروع ہوئی۔ آپ کے بعد خطیب پاکستان حضرت مولانا احتشام الحق صاحب نے اپنا بیان شروع فرمایا۔ اور ان کے بعد متکلم اسلام حضرت مولانا محمد علی جالندھری نے خطاب فرمایا۔ یہ نشست رات چار بجے تک جاری رہی۔

اتوار ۱۷ اکتوبر آج اس دار العلوم کے تاریخی جلسہ کا دوسرا دن ہے۔ عجیب چہل پہل ہے۔ نماز فجر ادا ہوچکی ہے کچھ لوگ جارہے ہیں اور کچھ آرہے ہیں۔ ناشتہ کیا جارہا ہے۔ کئی لوگ جلسہ گاہ میں پہنچ چکے ہیں۔ آخری نشست ۸ بجے شروع ہوگئی۔ سٹیج پر عظیم علمی وروحانی شخصیتیں موجود ہیں۔ مولانا عبد الہادی شاہ منصور کی تقریر کے بعد فضلاء کی دستاربندی کا سلسلہ شروع ہوا۔ اس کے بعد حضرت مولانا قاضی زاہد الحسینی مدظلہ نے خطاب فرمایا۔ آپ کے بعد جانشین شیخ التفسیر حضرت مولانا عبید اللہ انور دامت برکاتہم نے کچھ ارشادات فرمائے اور دعا بھی فرمائی۔۔۔ آخر میں حضرت العلامہ شیخ الحدیث مولانا عبد الحق صاحب دامت برکاتہم نے جلسہ کی شاندار کامیابی پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا فرماتے ہوئے دور دراز سے آنیوالے حضرات کی بھی تحسین کی۔ اور اسطرح جلسہ کی آخری نشست تقریباً پونے دو بجے دن ختم ہوگئی۔۔ اللہ تعالیٰ دار العلوم حقانیہ کو مزید ترقی عطا فرمائے اور قیامت تک اسے بقاء نصیب ہو۔ آمین۔ ثم۔ آمین ۔۔۔۔۔۔

پانچویں بات ۔۔۔۔ الذی خلق الموت والحیوۃ سے متعلق کہی گئی تھی ۔۔۔۔ اس کو احسان کی ایک مثال سمجھئے یا قدرت کی ۔ دونوں کی مثال بن سکتی ہے ۔ البتہ اس میں مختلف اقوال ہیں کہ موت سے کونسی موت مراد ہے ۔ اور حیوۃ سے کونسی حیوۃ ۔ بعض حضرات کا خیال ہے کہ موت سے وہ حالت مراد ہے ۔ جو دنیوی زندگی سے پہلے تھی اور حیوۃ سے دنیوی زندگی مراد ہے ۔ ایک خیال یہ ہے کہ موت سے موت بالفعل مراد ہے ۔ یعنی انفصال روح عن الجسد ۔ اور حیوۃ سے حیوۃ اخروی مراد ہے ۔ ان دونوں صورتوں میں ترتیب اپنے مقام پر ہے ۔ یعنی موت پہلے ہے ۔ اور حیوۃ بعد میں ۔ ایک احتمال یہ بھی ہو سکتا ہے ۔ کہ موت سے دنیوی زندگی مراد ہو ۔ اور یہ اس لئے کہ دنیوی زندگی کو اخروی زندگی سے وہی نسبت ہو سکتی ہے ۔ جو موت کو حیوۃ سے ہے ۔ اور اسی لئے تمام موجودات کو ہالک فرمایا گیا ہے ۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے ۔ کل شیئ ھالک الا وجہہ ۔ شیخ الاسلام حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے ایک مکتوب میں تحریر فرمایا ہے ۔ کہ چونکہ اسم فاعل کی دلالت زمانہ حال پر حقیقی ہے ۔ اس لئے کل شیئ ھالک کے معنی یہی ہوں گے کہ ہر شے بالفعل ہالک ہے ۔ سوائے ذات واجب الوجود کے کیونکہ ممکن کا وجود اصلی نہیں ہے ۔ تو موت سے مراد دنیوی حیوۃ ہوئی اور حیوۃ سے مراد اخروی حیوۃ حق تعالیٰ کا ارشاد ہے ۔ وان الدار الآخرۃ لھی الحیوان ۔

چوتھا قول جو مشہور ہے ۔ یہی ہے کہ موت سے مراد یہ متعارف موت ہے ۔ اور زندگی سے مراد یہ دنیوی زندگی ہے ۔ اس پر یہ کہا جا سکتا ہے ۔ کہ پھر موت کو پہلے کیوں ذکر کیا گیا ہے ۔ حالانکہ وہ دنیوی زندگی کے بعد ہے ۔ تو اس میں بعض حضرات نے یہ نکتہ بیان کیا ہے ۔ کہ اس میں اس طرف اشارہ فرمایا گیا ہے ۔ کہ اپنے عمل کو احسن بنانے میں موت کے ہر وقت مستحضر رہنے کا بڑا دخل ہے ۔ جس کو ہر وقت موت پیش نظر رہے گی ۔ وہ ہر وقت آخرت کی تیاری میں مصروف ہوگا کہ ۔ ع ۔ شاید ہمیں نفس نفس آخریں بود ۔
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز کو احسن بنانے کے لئے یہی تجویز بتلائی کہ صلّ صلوٰۃ مودع یعنی جو نماز بھی شروع کرو یہی سمجھتے رہو کہ بس یہ آخری نماز ہے ۔ کیونکہ دوسرے وقت تک زندگی رہے یا نہ رہے ۔ اور پھر نماز پڑھنے کا وقت مل جائے یا پہلے ہی وقت موعود آ پہنچے ۔ تو کیوں نہ اسی نماز کو جس کا موقع مل چکا ہے ۔ حسین سے حسین تر بنا کر نہ پڑھوں ۔ اہل اللہ کا ارشاد ہے ۔

چو رسی بکوئے دلبر بسپار جان مضطر   کہ مبادا بار دیگر نرسی بدیں تمنّا

تو موت کو پہلے ذکر کرنے سے اس طرف اشارہ ہوا کہ موت کو اپنی حیوۃ سے بھی زیادہ قریب سمجھو ۔ حضرت تھانویؒ نے ایک عجیب نکتہ بیان فرمایا ہے ۔ کہ دیکھو جب بچہ پیدا ہوتا ہے ۔ تو اس کے دائیں کان میں اذان دیجاتی ہے ۔ اور بائیں میں اقامت ۔ یہ اس طرف گویا اشارہ ہوتا ہے ۔ کہ بھائی اذان اور اقامت تو ہو چکی ۔ اب نماز "جنازہ" کی باری ہے ۔ گویا موت تک بس اتنا ہی وقفہ سمجھو جو اقامت اور نماز میں ہوتا ہے ۔۔۔۔۔

تعارف وتبصرہ

سیدنا معاویہ رض شخصیت و کردار

از حکیم محمود احمد ظفر سیالکوٹی ۔ صفحات ۴۶۴ قیمت -/۹ روپیے
کتابت و طباعت بہترین ۔ مجلد گرد پوش ۔
ملنے کا پتہ :- ادارۂ معارف اسلامیہ مبارک پورہ ۔ سیالکوٹ ۔

صحابہ کرام رض میں حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ذات بڑی مظلوم ہے ۔ اس کاتب وحی ، ہادی اور مہدی شخصیت کے آئینہ صفا پر بعض مورخوں نے منوں گرد ڈال دی ہے جس سے موصوف کا جمال جہاں آرا ابھی تک ایسا مستور رہا ہے ، جسطرح چاند کی طلعت ابر آلود ہو جائے ۔ اگر غور سے دیکھا جائے تو خود تاریخ بھی اس لحاظ سے مظلوم ہے ، کہ اسکی تدوین بنو عباس کے دور میں چند دانستہ مصلحتوں کی بنا پر ہوئی ۔ خوشامدیوں نے بنو عباس کے ہاں تقرب حاصل کرنے کی غرض سے ایسی ایسی گل ریزیاں کی ہیں ، کہ خدا کی پناہ ۔ چنانچہ وہ چہرہ جو اپنے عہد میں سب سے بڑھ کر حسین تھا ، اسے انتہائی مکروہ صورت میں اہل دنیا کے سامنے پیش کیا گیا ، ابو مخنف ، لوط بن یحییٰ ہشام بن محمد بن سائب واقدی اور ابو معشر جیسے شیعہ حضرات کی روایات ہی کے مجموعہ سے جس تاریخ کا تانا بانا تیار کیا گیا ہو ، وہ کیسے قابل اعتماد ہو سکتی ہے ، جبکہ ان کے کذاب ہونے میں اہل سنت کے سب اکابرین ائمہ متفق ہوں ، چنانچہ طبری ، طبقات ابن سعد ، ابن قتیبہ اور ابن اثیر وغیرہ حتیٰ کہ ابن کثیر تک کا دامن بھی اس وبا سے محفوظ نہ رہ سکا ۔ جو اس زمانہ میں غلط روایات کے باعث پھوٹ پڑی تھی ۔ لے دیکر ایک ابن خلدون ہی تھا جسے یہ آندھی اپنی جگہ سے نہ اکھیڑ سکی ، حقیقت میں اس تاریکی میں روشنی کی یہی ایک لکیر ہے ، جس سے صحیح راستہ کی نشاندھی کی جا سکتی ہے ، یا حدیث کا وہ ذخیرہ جو علم روایت و درایت ، جرح و تعدیل اور فن اسماء الرجال کے باعث اب تک محفوظ و مصئون چلا آرہا ہے ، ہم نے اتنا بھی نہ سوچا کہ جو کتابیں عرصہ سے ناپید رہی ہوں ، اور یورپ کے متعصب مستشرقین کی بدولت ہم تک پہنچی ہوں ۔ ان پر کیسے اعتماد کیا جا سکتا ہے ۔ برا نہ منایا جائے تو ہمارے سکولوں کا اور کالجی نظام بھی اس سے متاثر ہے ۔ جیسے انگریزوں نے اپنی مخصوص اور جانی پہچانی مصلحتوں کے

باعث یہاں نافذ کرایا اور علی گڑھ میں اسے پروان چڑھایا۔ یہاں سے وہ تمام سکولوں اور کالجوں میں نافذ ہوا۔ اور اب نوبت یہاں تک پہنچ چکی ہے کہ اس دور میں تعلیم یافتہ حضرات کے ذہن میں حضرت معاویہؓ اتنے بدنام ہو چکے ہیں جتنے حضرت عثمان ذی النورینؓ کی شہادت کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ غلط فہمیوں کے باعث بدنام ہو چکے تھے ۔ خدا تعالیٰ مصنف "سیدنا معاویہ" کو جزائے خیر دے کہ اس نے شبانہ روز محنت، جگر کاوی اور عرق ریزی سے اس گرد کو جھاڑنے کی مستحسن کوشش کی ہے جو اس اولوالعزم اور جلیل القدر صحابی کے دامن اور آئینہ مصفا پر پڑی تھی اور حضرت معاویہؓ کے بارے میں اکابر صحابہؓ حتیٰ کہ اہل بیت تک کے افراد عبداللہ ابن عباسؓ محمد ابن حنفیہؒ عبداللہ ابن عمرؓ اور عقیل ابن ابی طالب کے اقوال بیان کر کے حضرت معاویہؓ کا دامن صاف کرنے کی سعی کی ہے اور تاریخ کا تانا بانا جن رطب و یابس مواد سے تیار کیا گیا ہے۔ اسے بھی خوب بے نقاب کیا ہے، اس پر سیر حاصل بحث کی ہے کہ یہ خرابیاں کس راستہ سے آئی ہیں ۔کتاب کیا ہے ایک روشنی کا مینار ہے جو تاریخ کے اندھیروں میں بھٹکتے ہوئے طالب علموں کو صحیح راستہ دکھا سکتی ہے، ایک صیقل ہے جس نے تاریخ کے چہروں کو مصفا مجلا کر دیا ہے، غلط روایات کا پوسٹ مارٹم ہے، اور ایک ایسی کسوٹی ہے جس پر صحیح اور غلط واقعات کو جانچا اور پرکھا جا سکتا ہے۔ ہم اپنے جملہ قارئین اور خصوصاً اہل سنت حضرات سے اس کے مطالعہ کی پر زور سفارش کرتے ہیں اور مصنف کی اس غواصانہ عرق ریزی کی داد دیتے ہیں۔

مصنف کا سب سے بڑا کمال اس سلسلہ میں ہے کہ حضرت معاویہؓ کا دامن بھی صاف کرتے کرتے اور اپنے دامن کو بھی خارجیت سے بچا گئے۔ ورنہ اس سلسلہ میں پہلے جتنی کوششیں ہوئیں۔ وہ ایک گرہ کھولے تو دس گرہیں اور نمودار ہو گئیں حضرت معاویہؓ کا دامن صاف کیا۔ اور یوں خارجیت کی پرورش کی لیکن مصنف نے اہل سنت والجماعت کے مسلک کی صحیح ترجمانی کا حق ادا کر دیا۔ باوجود ان خوبیوں کے چند باتیں ہمارے ذہن میں کھٹکیں جنکا تذکرہ ضروری ہے کہ کیا جائے۔ تاکہ دوسرے ایڈیشن میں تحقیق کر کے اس کے ازالہ کی کوشش کی جائے۔ وہ یہ ہیں :-

۱۔ صـ۱۱۱ کی اس عبارت میں " ایران تو فتح ہو گیا اور اس میں بجائے درفش کاویانی کے ہلالی پرچم لہرانے لگا۔" ہلالی پرچم اسلامی پرچم کے مترادف قرار دیا گیا ہے، حالانکہ ہماری دانست میں عہد فاروقی میں اسلامی پرچم ہلال سے مزین نہ تھا، بلکہ ترکوں کی خلافت عثمانیہ میں اسلامی پرچم کو چاند تارے سب سے پہلے منقش کیا گیا۔

۲۔ صـ۳۵ کی عبارت یہ ہے کہ " بحری فوج میں شامی، افریقی اور اندلسی مسلمان شریک

ہوئے۔ یہ دور سیدنا معاویہؓ کا تذکرہ ہو رہا ہے۔ حالانکہ اندلس ولید کے عہد میں مسلمان ہوا۔ اس سے پہلے اندلس کے لوگوں کیلئے اسلام اور مسلمان اجنبی تھے۔ اگر مصنف کے ہاں کوئی ایسا مواد ہے جس سے یہ ثابت ہو سکے کہ واقعی اندلسی مسلمان شریک ہے تو آئندہ ایڈیشن میں متن یا حواشی میں اس کا حوالہ دیا جائے، ورنہ کتاب کی تحقیقی حیثیت و انداز ہونے کا اندیشہ ہے۔

۳۔۔۔ مسلیمہ کذاب کو آپ نے قتل کیا (البدایہ والنہایہ) قابل تحقیق ہے کیونکہ وحشیؓ قاتل حمزہؓ کو مسلیمہ کا قاتل سمجھا جاتا ہے۔ یہاں بھی اگر سہو نہیں ہوئی تو حاشیہ میں تشریح و توضیح مناسب تھی۔

۴۔۔۔۔ چوتھی بات ہمارے خیال میں جو نہایت اہم اور ضروری ہے وہ یہ ہے کہ جیسے مصنف نے ابن قتیبہ کے ذکر میں یہ تحریر فرمایا ہے کہ اس نام کا ایک شیعہ مورخ بھی گذرا ہے اور سوء اتفاق سے اسکی کتاب کا نام بھی المعارف ہی تھا۔ اگر اس ضمن میں یہ بھی بعد از تحقیق بتایا جاتا، کہ ابن جریر طبری کا بھی ایک ہمنام شیعہ معاصر ہوا ہے جس نے تاریخ بھی لکھی ہے۔ جسکا نام بھی تاریخ الامم والملوک ہی تھا اپنی مذموم اغراض کو بروئے کار لانے کی غرض سے اس دور میں اہل سنت کے ہمنام اپنے شیعہ امام کو متعارف و روشناس کرتے تھے۔ تاکہ اہل سنت اور غیر جانبدار دنیا کو اس سے دھوکہ اور فریب دینے میں آسانی ہو۔ چنانچہ امام ابو حنیفہؒ کے دور میں شیعہ حضرات میں بھی ایک ابو حنیفہ ہوئے ہیں۔ ہمیں صحیح کتاب یا رسالہ کا نام تو یاد نہیں رہا۔ لیکن اس قسم کی کوئی بات ہمارے مطالعہ سے ضرور گذری ہے۔ جس کا تذکرہ بطور مشورہ کیا گیا اگر مصنف اس سلسلہ میں کھوج لگائیں تو کتاب کی افادی اور تحقیقی حیثیت کو چار چاند لگ سکتے ہیں۔ نیز ان اقوال میں تطبیق بھی ہو سکتی ہے جو محدث ابن خزیمہؒ اور قاضی ابو بکر ابن العربی نے ابن جریر طبری کے بارے میں لکھتے ہیں، ہماری دلی دعا ہے کہ فاضل مصنف کو اللہ تعالیٰ نہ صرف حضرت معاویہؓ پر دوسری جلد لکھنے کی بلکہ خلیفہ مظلوم شہید وار حضرت عثمانؓ پھر ایسا ہی تحقیقی مواد پیش کرنے کی توفیق دے۔ حضرت عثمانؓ اس وقت بھی مظلوم تھے۔ آج بھی اس امام شہید کے پاکیزہ خون سے تحقیق و ریسرچ کے نام سے کتنے دامن داغدار ہو رہے ہیں۔۔۔۔۔۔

(مولانا عبدالرزاق سنگین)

سیرت خاتم الانبیاء از مولانا محمد انوری صاحب محلہ سنت پورہ لائل پور۔
صفحات ۸۰ مذکورہ پتہ سے مفت طلب فرمادیں۔

سیرت کے مبارک موضوع پر علامہ مولانا محمد انوری صاحب مدظلہم کا مختصر رسالہ ہے جو انہوں نے عامۃ المسلمین کی افادیت کے پیش نظر لکھا ہے اور اسے مفت شائع کیا ہے۔ بقول مصنف یہ سیرت علماء کیلئے

نہیں بلکہ عوام اور بچوں کیلئے ہے اس لئے تمام واقعات کا احصار نہیں ہو سکا، پھر بھی حضورؐ کے اسوہ حسنہ اور پاکیزہ زندگی کے اہم گوشے اس میں آ گئے ہیں۔ سکول و کالج کے طلباء کیلئے اس کا مطالعہ خاص طور سے مفید ہے۔ حضرت مولانا موصوف حضرت شاہ صاحب کشمیریؒ کے ممتاز تلامذہ میں سے ہیں اور ان کا وجود مغتنمات میں سے ہے۔

التفسیرات العبیدیہ حضرت مولانا قاضی عبیداللہ صاحب نقشبندی مفتی ڈیرہ غازی خان کی مایہ ناز تصنیف ہے جس میں قرآنی آیات کا باہمی ربط شستہ عربی اور دلکش انداز میں پیش کیا گیا ہے۔ ربط کے علاوہ بعض مغلق مقامات کی تشریح و توضیح بھی کی گئی ہے۔ اہل علم اور عربی دان حضرات کے لئے اس کا مطالعہ مفید ثابت ہوگا۔ ۲۲۴ صفحات کی یہ کتاب ہے اور قیمت تین روپے پچاس پیسے ہے۔

ملنے کا پتہ :- قاضی شمس الدین نائب مہتمم دارالعلوم عبیدیہ ڈیرہ غازی خان۔

ایمان افروز تقریر از امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ۔ صفحات ۴۷، قیمت ۲۵ پیسے صرف۔ ملنے کا پتہ : مولانا شیر علی شاہ مدرس دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک (پشاور)

امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری اپنے وقت کے مایہ ناز اور نادرہ روزگار خطیب تھے۔ دینی حمیت اور ایمانی غیرت سے ان کا سینہ معمور تھا جب مرزائیت کے شجرۂ خبیثہ نے سر اٹھایا تو حضرت بخاریؒ صاعقہ بن کر اس پر گرے۔ پیش نظر تقریر حضرت بخاری مرحوم کی وہ وجد انگیز اور ایمان افروز خطاب ہے جو انہوں نے تحفظ ختم نبوت کے موضوع پر دارالعلوم حقانیہ کے فقید المثال اجلاس دستاربندی (۵ ارشعبان ۱۳۷۱ھ) میں فرمایا تھا۔ جسے مولانا شیر علی شاہ صاحب مدرس دارالعلوم حقانیہ نے اس وقت قلمبند کیا تھا اور اب اسے مرتب کر کے افادۂ عام کی غرض سے شائع کیا۔ اس وقت ختم نبوت کا مسئلہ نازک صورت اختیار کرتا جا رہا ہے۔ حضرت شاہ جیؒ کی یہ تقریر فتنہ مرزائیت کے بارہ آج ایک اہم ضرورت کا جواب ہے۔ شاہ جی کی اتنی تفصیل سے قلمبند کی گئی تقریر نظر سے نہیں گذری ہے۔ ضرورت ہے کہ حضرت کی ایسی تمام تقاریر جو ضبط ہو چکی ہوں، شائع کی جائیں۔ جو تبرک اور تذکرہ کے ساتھ ساتھ عظمت و نصیحت کے صد پہلو بھی اپنے اندر رکھتی ہیں۔ ہم اس محنت پر مولانا شیر علی شاہ صاحب کا دلی شکریہ ادا کرتے ہیں۔

★